

ریاض المصائب

حفظہ
عمدة الذاکرین علی الخباہ
والاستیذریاض الحسن صاحبہ

باشردان
امامیہ کتب خانہ مغل حویلی
اندرون مسجد رواڑہ حلقہ اولیٰ، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شاه است حسین بادشاه است حسین
دین است حسین دین پناه است حسین
سردارنداد دوست در دست یزید
حقا که بنائے لایالہ است حسین

کتاب تطاب

ریاض المصاب

(جدید)

مصنفہا

عمدة الزاكرين عالىٰ جناب مولانا سيد رياض الحسن قند

ناشران :- امامیہ کتب خانہ - مغل حویلی

اندرون موچید رازہ — لاہور

فہرست مضامین کتاب ریاض المصابیۃ جدیدہ

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۵	پہلی مجلس { جو کہ روٹیوں کی عظمت حسنینؑ کی صحت امام حسینؑ کی مدینہ سے رخصت	۱
۱۷	دوسری مجلس { بے اعتباری دنیا، امام حسینؑ علیہ السلام کا ورود کربلا بنی اسد کو دفن کی وصیت	۲
۲۷	تیسری مجلس { حال ولادت و فضائل جناب امام حسینؑ علیہ السلام و شہادت جناب مسلم علیہ السلام	۳
۳۶	چوتھی مجلس { صبر کی تعریف، شب ہجرت امیر المومنین علیہ السلام کا بستر رسول پر آرام کرنا اور شہادت و زہب کلبی	۴
۴۳	پانچویں مجلس { کلمات خدا کی تعریف، معجزہ جناب امام حسینؑ علیہ السلام اور نصرانی کا ایمان لانا	۵
۵۷	چھٹی مجلس { فضائل امیر المومنین در ربط مصائب امام حسینؑ علیہ السلام	۶
۶۲	ساتویں مجلس { واقعہ شب ہجرت اور جنگ فقی و غیرہ شہادت جناب مسلم علیہ السلام	۷
۷۴	آٹھویں مجلس { مجاہدین کی ثابت قدمی و حالات جنگ صفین اور شہادت جناب عباس علیہ السلام	۸
۸۶	نویں مجلس { میدان جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کی نماز اور ربط مصائب	۹

مجموعہ تقاریر

الحاج سید العالمہ کار علامہ سید علی نقی النقی لکھنوی مدظلہ العالی

علامہ موصوف کی ذات کسی تقاریر کی محتاج نہیں ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سرکار سید العالمہ سید علی نقی النقی لکھنوی مدظلہ العالی کی تعاریر اپنے تسلسل بیان کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہیں۔ اہل ذوق حضرات کا فرض ہے کہ جلد از جلد طلب فرمائیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

حصہ اول - بارہ بصیرت افروز تقریروں کا مجموعہ - ہدیہ مناسب
 حصہ دوم - بارہ بصیرت افروز تقریروں کا مجموعہ - ہدیہ مناسب
 حصہ سوم - سولہ بصیرت افروز تقریروں کا مجموعہ - ہدیہ مناسب
 حصہ چہارم - بارہ بصیرت افروز تقریروں کا مجموعہ - ہدیہ مناسب
 حصہ پنجم - چودہ بصیرت افروز تقریروں کا مجموعہ - ہدیہ مناسب

ملنے کا پتہ

امامیہ کتب خانہ - مغل چوہلی

اندرون موچی دروازہ — لاہور ۷۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پہلی مجلس

جو کی روٹیوں کی عظمت حسینؑ کی صحت

امام حسینؑ کی مدینہ سے رخصت

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي حَتَابِهِ الْمُبِينِ وَهُوَ
أَصْدَقُ الصَّادِقِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَيُخَافُونَ
يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى
حَيْثُ مَسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

خداوند عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ
لوگ ایسے ہیں کہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس روز سے ڈرتے ہیں
جس روز کی برائی سب گنہگاروں کے لیے پھیلی ہوگی، اور وہ لوگ
ایسے ہیں کہ خدا کی محبت میں باوجود اپنی احتیاج کے مسکین، یتیم،
اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

وعدہ وعید ہو یا نذر و پیمان یا عہد و اقرار یہ لفظیں جس قدر آسانی
سے ادا ہو جاتی ہیں اتنا ہی ان کی منہویت پر عملدرآمد سخت مشکل ہے۔

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۰	دسویں مجلس شہدائے راہ خدا کا پیش خدام تہ، اور ان کی حیات شاہ اسماعیل کا قبر حضرت حمزہ کھدوانا	۹۴
۱۱	گیارہویں مجلس امیر المومنینؑ کی شجاعت اور حضرت علیؑ کی شہادت	۱۰۰
۱۲	بارہویں مجلس خدا کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا حضرت ابراہیمؑ اور امام حسینؑ کا مصائب میں امتحان و صبر اور شہادت	۱۱۱
۱۳	تیرہویں مجلس علیؑ امیر علیہ السلام احسان کی تعریف۔ امام حسینؑ علیہ السلام کا احسان زوجہؑ کا کھانا کھلانا۔	۱۱۹
۱۴	چودھویں مجلس تمسک جبل اللہ المیتین کا حکم جل اللہ سے مراد ائمہ ظاہریین ہیں۔ اتحاد و اتفاق کی تعریف اور شب عاشور۔ امام کا ہر نیچے میں تشریف لے جانا	۱۲۹
۱۵	پندرہویں مجلس صلہ رحم کی تعریف اور وفاداری صحابہؓ شہداء اور علیؑ کی تعریف	۱۴۰
۱۶	سولہویں مجلس فضائل و وفات جناب سیدہ سلامؑ علیہا	۱۵۲
۱۷	سترہویں مجلس ہدایت کیونکر کرنا چاہیے۔ رسول اللہؐ نے کس طرح ہدایت کی سوا دہ بن قیس کا قصص کیلئے آمادہ ہونا اور مصائب امام حسینؑ علیہ السلام	۱۶۶
۱۸	اٹھارہویں مجلس فضائل و شہادت جناب امیر المومنینؑ علیہ السلام مع ربط مصائب	۱۷۸
۱۹	انیسویں مجلس تفسیر کی تطہیر و فضائل جناب سیدہؑ و ربط اسیری اہل حرم اور دیر راہب کا واقعہ	۱۸۵

دنیا میں آئے اور چند دن کی زندگی کو ایک مسلسل افسانے کی طرح تمام کیا
زندگی کے آخری لمحہ کے ساتھ ملک الموت بھی آئے حضرت آدمؑ نے
پوچھا تمہارے آنے کا کیا سبب ہے کہا کہ حکم خدا بجالانا منظور ہے
فرمایا کہ ابھی تو میری عمر میں ساٹھ برس باقی ہیں۔ اُس وقت جبریلؑ وہ
عہد نامہ لائے۔ آپ نے دیکھا اور چوٹیں کہ وعدہ عہد ہو گیا تھا اس لیے
خاموش ہو گئے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ وعدہ آسان ہے لیکن وفا مشکل
ہے۔ اپنے اختیارات پر دوسرے کو مختار کر دینا بڑے نفسوں کا کام ہے
وفا وہ نازک رشتہ ہے جو ذرا سی حرکت میں ٹوٹ جاتا ہے، عمر بھر کی وفا
ایک دم کی بے وفائی سے خاک میں مل جاتی ہے۔ صاحبِ وفا کا دل
ہلتا رہتا ہے، یہ وہ لہ ہے جس پر چلتے پاؤں کی طرح کیجیجیہ بھی لرزتا ہے
وفا وہ دریا ہے جس کی موجیں اچھال کر بے وفائی کے کنارے لگا دیتی
ہیں۔ اُن عہدوں کو تو جانے دیجئے کہ جن کا پورا کرنا ہمارے اختیار میں
ہے جس رسی کے توڑ ڈالنے اور باقی رکھنے کے ہم مختار ہیں۔ ان عہدوں
کو دیکھئے جن کا ایثار ہم کرنے والے ہیں وہ چاہے خوشی سے ہو یا رنج
سے یعنی موت، مگر اس عہد سے ایسے بے خبر ہیں کہ زندگی میں یاد نہیں
آتا۔ اگر کسی کی زبان سے نام سن لیتے ہیں تو صرف اتنا خیال آتا ہے
کہ اسی نام کی ایک کھوئی ہوئی چیز ہمارے پاس بھی تھی، مگر ملنے کی امید
نہیں۔ وجود و عدم دو برابر کے شہروں کے نام سن لیے ہیں یقین ہے کہ
جب چاہیں گے ادھر سے اٹھ کر ادھر جا بیٹھیں گے، دریاں حالیکہ دنیا

یہ الفاظ اگرچہ ہم معنی نہیں ہیں۔ مگر قریب المعنی ضرور ہیں۔

وعدہ و عہد یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وعدہ نیک
عمل پر کیا جاتا ہے اور عہد سے بڑے افعال کی دھمکی دی جاتی ہے
وعدہ بہت آسان چیز ہے لیکن وفا مشکل چیز ہے۔ نذر و عہد یہ ہم معنی
ہیں اور نذر وہ ہے جو دل سے کسی بے نیازی درگاہ میں ہو۔ اس سبب
سے شرعاً نذر کا ادا کرنا واجب ہے۔ اب رہا عہد و اقرار۔ عہد و اقرار
وہ ہے جو زبان کے ذریعہ سے کسی سے کیا جائے، اور جب اس حد میں
وعدہ آجائے تو پھر عہد میں اور اس میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

چنانچہ جب روزِ ازل عالمِ ارواح میں حضرت آدمؑ کے سامنے
موت کے وعدوں کا دفتر پیش ہوا، تو آپؑ نے اپنے نام سے دیکھنا
شروع کیا، اپنے فرزندوں کی طویل عمریں نظر سے گذر کر دل بٹھاتی جاتی
تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت داؤدؑ کی عمر پر نظر پڑی جو صرف چالیس سال
کی تھی۔ دنیا میں جن ہاتھوں سے لوہا موم بننے والا تھا۔ اُس نام نے ازل
ہی میں آدمؑ کا دل موم کر دیا۔ درگاہِ خدا میں عرض کی کہ اے حیات کی
دولت اٹانے والے میرے فرزند کی عمر بہت کم ہے۔ میں چاہتا ہوں۔
کہ اس کی عمر کچھ بڑھا دی جائے، اچھا میں اپنی عمر سے ساٹھ سال
داؤد کو دیتا ہوں۔ خداوندِ عالم نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ تم آدمؑ سے ایک
عہد نامہ لکھو، اُسے جبریلؑ اور حضرت آدمؑ نے عہد نامہ لکھا اور
حضرت داؤدؑ کی وعدہ موت کی ترمیم ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضرت آدمؑ

کی بنید سے بے قراری میں شانہ بلا کر جگایا تو اب موت کے عالم کے سوا کوئی دنیا آنکھ میں نہ دیکھتی، پہلے ہی عرض کی کہ مولانا اگر موت آتی ہے تو آئے میں راضی برضا ہوں لیکن اپنی پوشاک خاص میں سے کوئی پارچہ عنایت ہو کہ جس سے میرا کفن ہو۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے اسحاق جب وہ وقت آئے گا تو سب سامان ہوجائے گا جس کے علم کی یہ انتہا ہو کہ اسے موت کے آنے کی خبر معلوم ہو اسے یقینی یہ بھی معلوم تھا کہ اسحاقؑ کو کہاں درکب موت آئے گی، مگر چونکہ ان کے دل کی حالت معلوم ہو گئی تھی۔ اس لیے آپ نے تفصیل نہ کی، غرض کہ اسحاقؑ رخصت ہوئے، وطن کی طرف چلے بہت جلد راہ طے کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ اگر موت کو آنا ہے تو راہ میں نہ آئے گھر پہنچ لینے دے۔ اس لیے کہ غربت اور بے کسی میں مرنا اور بھی بلا ہے چند منزلیں طے کی تھیں اور ایک مقام پر قیام پذیر تھے کہ تپ آئی اور سرائے کے ایک حجرے میں انتقال کیا، ادھر موت کا وعدہ پورا ہوا، ادھر امامؑ کے ایقانے عہد کا زمانہ قریب آیا، اسحاقؑ کو اہل کارواں نے قبل صبح جگایا چاہا تا کہ انتظام سفر سے فراغت کر کے ہمراہ کارواں چلے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہاں جو اصل کارواں تھا وہ منزل عدم کی طرف جا چکا تھا، یہ حالت دیکھ کر اہل قافلہ حجرے کا دروازہ بند کر کے نکل آئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے، ادھر صبح ہوئی ادھر کافور غلام امام حسن عسکریؑ نے آواز دی کہ اے قافلہ والو! آؤ میں اسحاقؑ کے غسل و کفن سے فارغ ہو چکا، اب تم سب مل کر انھیں دفن کر دو۔ اسحاقؑ کی قبر مسجد

کا اعتبار نہیں، اور عدم کی فضا آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ دنیا کے طالع کا ڈوبتا ہوا ستارہ اتنا ہی قیام پذیر ہے جیسے وجود کی سیم کا مٹا ہوا نقطہ کہ اسے دونوں طرف عدم کی سیاہی گھیرے ہوئے ہے اور عدم کے نامعلوم حالات سے دل کا صفحہ ویسا ہی سادہ ہے جیسے غود لفظ عدم نقطوں سے خالی ہے۔ موت کا نام بہت خوفناک ہے، اگر زبان میں اثر ہو تو سننے والے کے لیے یہ نام ہی موت ہے۔ ہماری زبان میں تو انہی طاقت اور اتنا اثر کہاں، ہاں امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس حضرت کے ایک مصاحب خاص جن کا نام اسحاقؑ تھا، حاضر ہوئے دور دراز سفر طے کیا ہے۔ جس طرح مسافر منزل پر پہنچ کر خوش ہوتا ہے، جس طرح غربت زدہ کو سواد شہر بھلا معلوم ہوتا ہے، یوں ہی اسحاقؑ کی نظر ہامی شان و شکم کو دیکھ کر شاد ہو رہی ہے، بوجہ یہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ امامؑ کے سامنے پیش کئے۔

فاطمہؑ کے گھر میں ہمان ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وطن کی یاد آئی چلنے پر آمادہ ہوئے۔ امامؑ سے رخصت طلب کی اور عرض کی اے مولانا غلام آقا کے دیدار سے سیر نہیں ہوا۔ موعا فرمائیے کہ سال آئندہ پھر حاضر خدمت ہو۔

آپؑ نے فرمایا کہ اے اسحاقؑ تیری یہ ملاقات آخری ہے۔ اس لیے کہ اسی سال میں تیری موت ہے۔ خدا جلنے کہ موت کے ان تین حرفوں میں کون سا اثر بھرا ہوا کہ اسحاقؑ غمش کھا کر گر پڑے، جب غوث

کر لئے۔ آخر میں فصد نے بھی تین روزے نذر کئے۔ ادھر روزے نذر کئے
 ادھر حسینؑ کو صحت ہونے لگی اور چند دنوں میں شانہ زادوں نے غسلِ صحت
 کیا، اسی روز سے عہد پورا ہونے لگا، روزہ تو رکھ لیا۔ مگر افطار
 کا سامان میسر نہیں، جب امیر المومنینؑ نے یہ حالت دیکھی، دولتِ سر
 سے شمعون یہودی کے یہاں تشریف لائے۔ دیکھا شمعون ریشم صاف
 کر رہا ہے، آپ نے فرمایا۔ اے شمعون اس ریشم میں سے کچھ مجھے بھی
 دے دو۔ تاکہ رسولؐ زادی اس کے ذریعہ سے مزدوری کرے اور شام
 کو یہ ریشم مجھے دے اور اس کی اجرت تین سیر خود دے تاکہ اہل بیت
 رسولؐ کے روزے افطار ہو جائیں۔

شمعون نے حقوڑا ریشم اور سیر جو حوالے کئے۔ آپ اس کو لے
 کر گھر میں تشریف لائے۔ اس ریشم کے تین حصے ہوئے۔ دن بھر میں
 فاطمہ زہراؑ نے ایک حصہ ریشم صاف کیا۔ رسولؐ کی صاحبزادی ہیں۔
 چونکہ ایک حصہ ریشم صاف کیا تھا۔ اس لیے ایک ہی سیر جو بھی پیسے تاکہ
 اجرت سے زائد صرف نہ ہو۔ شام ہوتے ہوتے پانچ روٹیاں تیار کیں
 اور ہر ایک بزرگ کے سامنے پانی کا ایک گلاس اور ایک روٹی رکھی گئی
 یہ اہل بیت کے افطار کا سامان تھا، امیر المومنینؑ نے پہلا ٹکڑا روٹی کا
 ٹوڑا اور افطار فرمایا، ہر چاہتے تھے کہ ایک غریب و محتاج نے دروازہ
 کی زنجیر ہلا کر آواز دی۔ اے سلام علیکم دیا اهل بیت محمدؐ
 انا مسکین من مساکین المسلمین اطعموا فی اطعمکم

تھی، کافر غلام امام حسن عسکریؑ کے ہاتھ سے ضبط ہوا، غسل پایا، کفن ملا،
 اہل قافلہ نے نماز پڑھی، اپنے کاغذوں پر اٹھا کر قبر تک لائے دفن کیا قبر پر
 قرآن خوانی ہوئی۔ غربت میں گھر کا لطف مل گیا، مسلمانوں نے مرنے والے سے
 بڑی ہمدردی کی۔ فقط اسحاقؑ کے دفن کرنے کی ضرورت سے سفر تک
 ملتوی کر دیا، یہ امام حسن عسکریؑ کے مصاحب کا قدر کی گئی، مگر ہائے
 کر بلا والوں کی قسمت کہ تین روز تک کوئی مسلمان اس کا قافلہ بھی نہ آیا۔
 کہ حسینؑ کو مرنے کے بعد آرام مل جاتا۔

الغرض ایفائے عہد مشکل ہے خصوصاً اس حالت میں جب زمانہ بھی
 موافق نہ ہو، ورنہ یہ تو ایک سہل امر ہے کہ گھر کی دولت کا اندازہ کر کے
 کسی سے عہد کر لیا کہ ہم دو چار درہم دے دیں گے اور ایسا کرنے کے
 بعد فخر کرنا یہ کوئی چیز نہیں ہے، ہاں مشکل یہ ہے کہ حسینؑ ایک زمانہ میں
 بیمار ہوئے، رسولؐ خدا موجود ہیں۔ اس لیے لوگ عبادت کو چلے آتے ہیں۔
 ہمدردی بھی کرتے ہیں۔ علاج کے طریقے بھی بیان کرتے ہیں۔ صرف اس
 لیے کہ رسولؐ خدا کا اطمینان کرنا ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے دل والے
 ان میں موجود ہیں جنہوں نے رسولؐ خدا کے بعد انھیں حسینؑ سے پانی
 تک عزیز کیا، پیغمبرؐ خدا نے یہ راستے دی کہ اے ابوالحسنؑ تم کچھ روز
 نذر کرو، امیر المومنینؑ نے تین روزے مانے، یہ خبر
 فاطمہ زہراؑ کو معلوم ہوئی۔ آپ نے بھی تین روزے نذر کئے
 یہاں تک کہ خود حسینؑ نے بھی تین تین روزے اپنے اوپر واجب

خانہ فاطمہ زہرا میں تشریف لائے، دیکھا سیدہ محراب عبادت میں بیٹھی ہوئی ہیں، مگر خم ہے آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں، شکم مبارک پشت سے مل گیا ہے، باپ کا دل ہے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پکار کر کہا کہ خداوند کیا میرے اہل بیت ناقول ہی کے مالہ مرحائیں گے، ادھر رسولؐ کی آواز آسمان پر گئی اور ادھر جبریلؑ زمین پر آئے۔ ہاتھ میں ایک زنگار طباق جس سے بوئے مشک آ رہی تھی۔ طعام جنت سے لبریز امیر المومنینؑ کے سامنے رکھ دیا۔ اور سورۃ اہل قی اول سے آخر تک اہلبیت کی شان میں پڑھا۔

شافعی سا شخص غلو کی حالت میں جھوم جھوم کر کہہ رہا ہے کہ دنیا والے کہاں تک مجھ کو امیر المومنینؑ کی محبت پر ملامت کریں گے کیا کسی کی بی بی فاطمہ زہراؑ سے، کیا کسی کے لیے بل اتنی سا سورہ آیا ہے مگر جس طرح اہل بیت مشکل اور سخت زمانے میں دشواری سے ایفائے عہد کرتے تھے۔ یوں ہی خدا بھی مکرر راجع دیتا تھا، دنیا میں تو یوں عزت بڑھاتی، اور بہشت سے وہ عوانِ نعمت آیا، جس پر قل اتی کے حروف کی مہر میں تھیں۔

الغرض عہد کا دور کرنا خاندانِ رسولؐ کا حصہ ہے خود رسولؐ خدا م قریب وفات پکار پکار کر فرماتے تھے، کہ جس کا حق مجھ پر باقی ہو۔ وہ لے لے، جس سے میں نے عہد کیا ہو، وہ آئے۔ یہاں تک کہ مرتے مرتے ان لوگوں کو نہ بھولے، اور جن لوگوں سے عہد کیا تھا۔

اے نبیؐ کے گھر والو! اس نادار کا سلام قبول کرو، میں گروہِ مسلمین سے ایک مسلمان فقیر ہوں، جو کچھ تم کھا رہے ہو، اُس میں مجھے بھی شریک کر لو۔ عذاتم کو عذائے بہشت سے سیر کرے، ادھر یہ آواز نشی ادھر سب نے اپنی اپنی روٹیاں حوالے کر دیں۔ یہاں تک کہ فضلہ نے بھی اپنا حصہ دے دیا، سب کے سب پانی سے افطار کر کے سو رہے۔

دوسرے روز پھر فاطمہؑ نے ریشم صاف کیا اور اسی طرح پانچ روٹیاں پکائیں۔ افطار کو بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم نے آواز دی، رحم دلوں سے کہیں یتیم کی آواز سُنی جاتی ہے، فوراً اپنے اپنے حصہ کی روٹیاں دے دیں، اور تیسرے روز کی نیت کر کے سب نے آرام کیا اور صبح کو باقی ریشم صاف کر کے شام تک وہ یقیناً جو پیسے اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ آج ایک اسیر نے آواز دی کہ اے اہلبیت رسولؐ میں ایک مسلمان قیدی ہوں، اہل کفر نے قید کر لیا ہے اور مجھے کھانے کو نہیں دیتے۔

اے نبیؐ زادو! تم مجھ پر رحم کرو، یہ آواز سُنتے ہی فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ کی طرف دیکھا اور امیر المومنینؑ نے فاطمہؑ کی طرف، اور اپنی اپنی روٹیاں حوالے کر دیں۔ تین بلا بر کے فاقے، گرمیوں کے دن، کہاں تک ضعف ہو، اُس پر ابھی حسنینؑ بیاری سے اٹھے ہیں، پھول سے تو پہلے ہی کھلا ہوئے تھے۔ اب اور پژمردہ ہو گئے، امیر المومنینؑ کے ہمراہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے، نانانے جو اپنے لاسولؐ کی یہ صورت دیکھی بتیقا رہو گئے،

اُن کے لیے امیر المومنینؑ کو ہدایت کر گئے، امیر المومنینؑ برابر اپنے عہدوں کو پورا کرتے رہے۔ یہ وعدے ہی کا خیال تھا کہ ایک دن میں چالیس جگہ دعوت میں تشریف لے گئے۔ امام حسینؑ نے اپنے عہد پورے کئے معاویہ سے ظاہر ارجو طے ہو گیا تھا اس پر قائم رہے۔

امام حسینؑ نے تو انتہا کر دی۔ اگر غور کیجئے گا تو اس مقام پر بھی وعدہ و عہد کے معنوں میں فرق نظر آئے گا جب رسالت مآبؐ نے حسینؑ سے ذکر شہادت کیا ہے، تو آپؐ نے وعدہ فرمایا۔ مگر جب جبریلؑ آئے اور محضر شہادت تیار ہونے لگا۔ اہل بیتؑ لاضعی ہوئے بمصائب کی فرد پیش ہوئی۔ حسینؑ سفتے رہے اور اقرار کرتے رہے۔ لیکن جب کچھ زینبؑ کا ذکر آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ نہ ہوگا۔ جبریلؑ علیہ السلام نے کہا۔ فرد بخشش ناقص رہ جائے گی۔ آخر الامر حضورؐ نے ہمارے لیے یہ بھی منظور کر لیا، اور یہ عہد نامہ جبریلؑ لے کر چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قول وعدہ تھا۔ اگر عہد ہوتا تو امامؑ ہرگز انکار نہ کرتے یہ عہد حسینؑ سے بات کے دھنی کا تھا، کوئیوں کا عہد نہ تھا جو بار بار پائیدار ہوا اور ٹوٹ گیا، یہ عہد ہی کا خیال تھا کہ حسینؑ گرمی کے موسم میں یکایک گھر چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ جن لوگوں کے نام دفتر شہاد میں درج تھے۔ وہ سب ساتھ ہو لیے عورتیں بھی ننگے سر ہونے کو چادریں اوڑھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، عماریاں اور کجاوے دروازہ کے پاس لگا دیئے گئے۔ جناب عباسؑ تلوار کھینچ کر قتلوں

کے گرد ٹہلنے لگے، اکبر و قاسمؑ اہتمام میں مصروف ہیں حضورؐ دولت سزا سے برآمد ہوئے، علی اکبرؑ مکان میں آئے، صفرائے دُور سے دیکھا تو ہاتھ پھیلا کر بڑھیں، دو محبت والے بھائی بہن چٹھنے کے لیے گلے مل رہے ہیں اُن کے رونے کا کیا ذکر ایسا روئے کہ جنھوں نے دونوں کو پالا ہے وہ منہ پھیر کر ہٹ گئے۔ صفرائے کہا۔ بھتیجا بابا کو تو روک نہیں سکتی۔ مگر تم نہ جاؤ علی اکبرؑ اور زیادہ روئے۔ کہا بہن دل نہیں مانتا۔ اس مصیبت اور اس سفر میں بابا کو تنہا چھوڑ دیں، صفرائے کہا اچھا وعدہ ہی کرتے جاؤ۔ کہ جہاں آرام سے ٹھہرو گے وہاں ہیں بلاو گے، علی اکبرؑ نے وعدہ کیا۔ ادھر سب بیبیاں ناقول پر سوار ہوئیں۔ کہ بلا کے مسافر نے الفراق الفراق، الوداع الوداع کہتے ہوئے تھوڑی سی راہ طے کی تھی۔ دیکھا صفرا پھر چلی آتی ہیں۔ امامؑ نے پوچھا صفرا صفرا، اب کیوں آئیں، کہا بابا دل چاہتا ہے کہ پھر ایک بار سب کو دیکھ لوں حضورؑ نے حکم دیا، نائقے بٹھا دیئے گئے۔ تو بایں کھینچ گئیں۔ صفرا ہر ایک سے ملنے لگیں۔ زینبؑ سے رخصت ہوئیں، چھوٹی بہن سکیئہ سے ملیں یہاں تک کہ جناب ربابؑ اور علیؑ صفرا سے گلے ملنے کی نوبت آئی میر سینہ سے ہٹا یا ہی تھا کہ ماں کی گود میں نظر پڑ گئی، دیکھا علیؑ صفرا "آنکھیں کھولے بہن کو یاس سے دیکھ رہے ہیں۔ صفرائے ہاتھ پھیلا دیئے، بہن کی محبت ننھے سے دل میں انتہا کی تھی، ہما کر چلے آئے، اور سینے سے لپٹ گئے جب دیر ہوئی تو ربابؑ نے لینا چاہا مگر علیؑ صفرا

دوسری مجلس

بے اعتباری دنیا، امام حسین علیہ السلام

کا ورود کر بلا۔ بنی اسد کو دفن کی وصیت

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْحَدِيثِ الْقَدْ سَيَّرَ
عَجَبْتُ لِمَنِ الْيَقِينُ بِالْمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ

دنیا کے حالات کا نظارہ کرنے والا اور ظاہر و باطن کا جاننے والا
ارشاد فرماتا ہے کہ ہمیں تعجب ہوتا ہے اُن لوگوں پر جو موت کا یقین
رکھتے ہیں وہ کیوں کر شاد رہتے ہیں۔

یہ دنیا والوں کا کلام نہیں ہے کہ جس میں گنجائش کلام ہو، مگر
آج کل دنیا پرست انسانوں کی حالت پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو
معلوم ہوتا ہے کہ ان پر موت کا اثر نہیں ہوتا اور اگر کچھ اثر محسوس
بھی ہوتا ہے تو بہت کم۔

واقعی موت وہ بے باک ہے جو کسی کو نہ چھوڑے گی اور نہ کسی کو
چھوڑا رہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اور وہ مراتب کے حریص جن کا دل
دنیا کی بادشاہی اور روئے زمین کی سلطنت سے نہ بھرا اور

نہ آئے صغریٰ نے کہا کہ اے مادرِ مہربان مجھ سے صغریٰ کو زبردستی نہ لیجئے
اگر خود سے چلے آئیں تو لے لیجئے، یہ ملنا آخری ملنا ہے۔ مجھ سے بچتے
کا دل نہ توڑا جائے گا۔

زینبؓ بلاتی ہیں۔ سیکینہؓ ہاتھ پھیلاتی ہیں۔ مگر علی اصغرؓ بہن کے شانے
سے سر نہیں اٹھاتے۔ جب زینبؓ کو یقین ہو گیا کہ علی اصغرؓ نہ آئیں گے۔
بھائی کو بلایا، حسینؓ دنیا کے حالات سے واقف ہیں، سفر کے انتظام
میں اب تک بھولے ہوئے تھے۔ مگر اب کر بلا کا میدان اور زوال آفتاب
کا وقت، سچہ کی پیاس، اور حرمؓ کا جواب سب کا سب یاد آ گیا۔ زینبؓ
کے پاس آئے۔ مگر روتے ہوئے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں اور دامن
سے آنسو پونچھتے جاتے ہیں۔ مگر بھکائے ہوئے علی اصغرؓ کے پاس
آئے اور کان میں جھکا کر کہا کہ اے میرے مسافر بابا، تیری طرف
سے بھی تو عہد کر چکا ہے، کیا امت کے خشوانے کو نہ چلو گے، اگر تھم
صغریٰ کے پاس رہ جاؤ گے تو گلے پر تیر کون کھائے گا، اور حسینؓ تلوار
سے قبر کس کی کھودے گا۔ یہ سننا سننا کہ علی اصغرؓ بے تاب ہو کر
حسینؓ کی آغوش میں آ گئے۔

بھی ناممکن ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا نادان ہو جس کو موت کا یقین نہ ہو۔ ورنہ فنا ہونے سے تو کسی فرقے نے اختلاف نہیں کیا ہاں یہ بات اور ہے کہ یہ یقین تو ہے لیکن یہ خیال مستقل نہیں رہتا اور اگر یہ خیال باقی رہے تو بیشک یہ ہنسی اور شادی جو انسان کی معمولی سی عادت ہے دنیا سے بالکل نابود ہو جائے اور جس کو موت کا یقین ہے اور جس کو ہر وقت موت کے عالم دکھائی دیتے رہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے اُسے ہنسی نہیں آتی۔

رسول خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں عرش کی راہوں کی سیر کرتا ہوں جا رہا تھا تو مجھے ایک آسمان پر ایسا فرشتہ نظر آیا جس کے آگے ایک تختی تھی، ہوئی تھی جس پر دستخطیں جمائے ہوئے تھا اور پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ آج میرے آنے سے آسمان کی خلقت میں کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو خوش نہ ہو، کوئی ملک ایسا نہیں جو شادمانی کی روح نہ معلوم ہوتا ہو۔ کوئی آسمان ایسا نہیں ہے جو میرے آنے کی وجہ سے بدستور نہ ہو، سوائے اُس فرشتے کے کہ یہ اسی طرح حیرت اور پریشانی کی تصویر بنا ہوا ہے۔

میں نے جبریل سے سوال کیا کہ یہ کون فرشتہ ہے انھوں نے جواب دیا کہ یہ ملک الموت عزرائیل ہیں۔ جب سے خلق ہوئے ہیں۔ آج تک ان کے چہرے پر ہنسی نہیں آئی، مجھے یقین نہ آئے گا کہ ملک الموت کا نہ ہنسنا ان کی تند خوئی یا برہمی طبیعت کے سبب سے تھا اس لیے کہ یہ ملک ہیں۔ تمام خصائل بد سے پاک و پاکیزہ ہیں اس ذات ہی کا نام

خدا کا نام یا دعا کر بیٹھے اُن لوگوں کو بھی موت سے امان نہ ہوئی آج جمشید ہے نہ اُس کا جام اور نہ فرضی خدا مرود ہے نہ وہ لشکر جس سے خدا کا مقابلہ کرنے چلا تھا۔ اب نہ فرعون ہے نہ فرعونیت، وہ تکبر و غرور سب دریائے اہل کی نذر ہوا، خود بھی زندہ نہ رہے اور اپنے پیروؤں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

ان کا خود تو نہیں معلوم کیا حشر ہوا۔ لیکن اُن مریدوں سے جنھوں نے ان مغرور بندوں کو خدا کا مقابل بنا دیا تھا سوال ہو رہا ہے، اور خدا خود فرما رہا ہے۔ ”آخر تم ہمارے پاس اُسی طرح تنہا آئے نا جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار خلق کیا تھا اور جو مال و اولاد ہم نے تم کو دیا تھا وہ اپنے پس پشت چھوڑ آئے، اور تم اُن سفارش کرنے والوں کو بھی نہیں دیکھتے۔ جن کو تم خیال کرتے تھے کہ تمھاری پرورش میں ہمارے ساتھ رہیں۔ اب تو تمھارے باہمی تعلقات منقطع ہو گئے۔ اب تو تم ہمارے پاس اکیلے آ گئے، اور جن پر بھروسہ تھا وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اب تم کو کیا سزا دی جائے؟“

یہ سب افعال ان تاریک پردوں کے اثر سے ہیں جو ہماری آنکھوں پر پڑے ہوئے ہیں کہ اگر ہم موت سے پورا سبق لیں تو سو خدا کے کسی کو یاد نہیں کر سکتے، اور خدا تو یہ فرماتا ہے کہ ہمیں اُن لوگوں پر تعجب ہے جو موت کا یقین رکھتے ہوئے شاد ہوتے ہیں اور دنیا کے دلوں کا اندازہ یہ ہے کہ اگر ان پر اثر پڑ جائے تو شاد ہونا تو درکنار مسکرایا

مگر وہ موت سب سے زیادہ سخت ہے جو غربت میں آجائے
 خیال تو کیجئے کہ غربت کا عالم نزع کا سا مشکل وقت، دم کا نکلتا،
 موت کی کسمپاشی سے رگوں کا ٹوٹنا، ہاتھ پاؤں کا کھینچنا، اور کوئی نہ ہو
 کہ ذرا ہاتھ ہی تھام لے، تھوڑا سا پانی ہی دیدے، ایسے وقت میں
 عزیز تو عزیز وہ لوگ یاد آتے ہیں جن سے فقط صاحب سلامت ہے
 اور اس یاد سے کسی کا دل خالی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ حسین سے صابر
 نے بھی یاد کیا مگر حسین پر چونکہ مصائب کا خاتمہ ہوا اس لیے آپ نے
 ایسے وقت میں یاد کیا جس وقت عزیزوں کے یاد کرنے کا موقع نہ رہا تھا
 اس لیے کہ جتنے چاہنے والے تھے۔ وہ سب کربلا کی جلتی ہوئی زمین پر
 آرام کر رہے تھے اور جو باقی تھے وہ اس قابل نہ تھے کہ قتل گاہ میں آ
 سکیں تو اب حسین دوستوں کو یاد کرتے ہیں اور حسین کے دوست ہی
 کون تھے سوائے ان بد نصیب شیعوں کے، پہلے تو مؤمن پر حجت تمام
 کرتے ہیں اور شمر سے پانی طلب کرتے ہیں کبھی زبان دکھا کر اور کبھی
 ہاتھ سے اشارہ کر کے اور جب یقین ہو جاتا ہے کہ پانی نہ ملے گا۔
 اور پیاس کم نہ ہوگی تو اب پچھڑے ہوئے دوستوں کی طرف منہ پھیرتے
 ہیں اور فرماتے ہیں۔

شَيْعَتِي مَكَانَ شَرِّ نَمَاءٍ عَذِيبٌ فَإِذَا كُرُوْنِي وَأَوْ
 سَمِعْتُمْ بِشَهِيدٍ أَوْ غَرِيبٍ فَأَنْدِ مُؤْنِي - !
 اے میرے دوستو! اگر آئیں سکتے تو پانی پی کر میں یاد کر لینا

فرشتہ ہے ممکن نہیں کہ یہ بُری خصلت اس وجہ سے ہو بلکہ وہی بات ہے
 چونکہ ہر وقت اور ہر لمحہ موت کی تصویر آنکھوں کے نیچے پھرتی رہتی ہے
 موت کے عالم دکھائی دیتے ہیں اور آئینہ یقین پر جلا پر جلا ہوتی رہتی ہے
 اس لیے موت کی ہیبت سنسنے سے روکتی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ان
 کے دل کا اندازہ اپنے علم سے کر سکتے ہیں، اور معلوم ہو سکتا ہے کہ دل پر
 کیا بن جاتی ہے۔ مگر وہ فرشتہ ہیں اور علائق دنیا میں مبتلا نہیں ہیں۔
 آپ کو وہ وقت پیش نظر کرنا ہوگا۔ جس وقت کوئی عزیز یا دوست دم
 توڑ رہا ہو۔ جس قدر چارہ و تدبیر کی راہیں ہیں سب بند ہو گئی ہوں۔
 علاج کرنے والے خدا پر چھوڑنے کا حکم دے چکے ہوں۔

اب نہ مریض کسی کی سن سکتا ہے اور نہ اپنی حالت کہہ سکتا ہے
 حسرت بھری آنکھیں خدا سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اٹھڑی ہوئی سانسوں
 پر دیکھنے والوں کا یقین ہے کہ اب کی مرتبہ جا کر واپس نہ ہوں گی۔

بیمار کا نہ تو دل ہی بس میں ہے نہ ہاتھ پاؤں ہی قابو میں ہیں، وہ
 اعضاء جو زندگی میں آہستہ آہستہ دھوکہ صاف کئے جاتے تھے وہ
 اعصاب جو اپنے لیے بھی راحت تھے اور دوسروں کے کیلچوں کی
 ٹھنڈک تھے۔

جن پر ذرا سی گرد پڑ جاتی تھی تو دامن سے جھاڑے جاتے
 تھے۔ آج وہ محض بیکار ہیں یعنی یہ اعضا مستعد کئے جا رہے ہیں کہ
 اب دنیا کو چھوڑ کر منوں مٹی کا بار اٹھانے پر آمادہ ہو جاؤ۔

لیکن جب دوستوں کی قبروں کی صف دیکھتے ہیں تو صرف ایک قبر کی جگہ نظر آتی ہے جس کی قیمت کی ہو۔ لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ یہ ہمارا ہی لیے بیچ رہی ہو۔ ہم دعا کرتے ہیں اور تمنا ہے کہ وہ موت جو کسی کو نہ چھوڑے گی یہیں بھی نہ چھوڑے۔ مگر جب بھی آئے وطن میں جب بھی دفن ہوں عزیزوں کے پہلو میں، مونیامیں جن کے ہمسایہ میں زندگی بسر کی ہے اس شہرِ خوشاں میں بھی انھیں کے ساتھ نہجہ جلائے گی۔ یہ میری حسرت حسرت ہی ہے اور ایک امام کی حسرت کی پیروی بھی ہے۔ بلکہ ایک امام نہیں۔ دو بیکسوں کی یہی آرزو تھی یہ کون دونوں بزرگوار وہی فاطمہ کی گود کے پالے، رسولِ خدا کی گود کی زینت، حسن اور حسین علیہم السلام۔ ان کی یہ حسرت رہی ہے کہ ہمیں وطن میں موت آئے۔ مگر خداوند کسی کو ایسا مجبور نہ کرنا جیسا حسن مجتبیٰ وطن میں رہ کر بیکس ہو گئے تھے کہا کرتے تھے کہ ہائے حسن کا کوئی دوست نہیں سب دشمن ہی دشمن ہیں اپنا حق کیونکر طلب کریں جب بنتِ اشعث نے زہر دیا اور عیگر کے ٹکڑے ایک طشت میں نظر آئے آپ بے اختیار روئے، لوگوں نے کہا یا بنِ رسول اللہ آپ کے لیے تو دنیا زنداں تھی اور یہ یقینی ہے کہ آپ بہشت کے لیے ہیں اور بہشت آپ کے لیے تو فرمایا ہاں دو چیزیں رُلّاتی ہیں ایک تو تم لوگوں کی خدائی دوسرے قیامت کا خوف اب جب موت کا یقین ہوگا تو امام حسین کو بولایا اور وہی حسرت کہ مرنے کے بعد عزیزوں کا پہلو ملے۔ اس کو ظاہر کرتے ہیں

اور اگر کسی شہید کی لاش پر سے گزرنا تو ہماری تنہائی پر آنسو بہا لینا۔ الغرض موت کا یقین ضرور ہے۔ اگر ان جھپکے والی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر ہر وقت رہ جائے تو دنیا کے کام تو ایک طرف عبادتِ خدا بھی رجوعِ قلب سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ یہ ہیبت ناک صورت ایسی نہیں ہے کہ دل بس میں رہے اور دل قابو میں نہیں تو انسان مجبور ہے۔ مگر پھر بھی اگر موت کو دیکھا جائے تو عجیب چیز نظر آئے گی۔ موت ہی وہ آنکھ سے جو کسوں اور جوانوں اور ضعیفوں سب کو ایک نگاہ سے دیکھتی ہے۔ موت ہی وہ زندہ ہے جس کے آجانے سے دنیا پرست اور عابدِ شب زندہ دا سب ایک طرح زمین کے تیکہ پر سر رکھ دیتے ہیں۔ موت عبرت کا پہلا سبق ہے۔ اگر انسانیت کے مقتضا پر نظر ہے اور دنیا کی ہر چیز دیکھنے کو دل چاہتا ہے، تو ایک دن گورِ غریباں پر بھی ضرور ہوا آئیے، اُن بے شمع قبروں کو ضرور دیکھ لیجئے۔ جو عرصہ سے فاتحہ کی محتاج ہیں گورِ غریباں اداس، اور حسرت خیز زمین تو ہے۔ لیکن آپ کے پچھڑے ہوئے وطن والوں کی بستی ہے۔ ذرا جائیں تو سہی اور بیچ قبر پر کھڑے ہو کر ذرا چاروں طرف نظر ڈالیں پھر تو دنیا ایسی فانی او بے اعتبار چیز نظر آئے گی کہ اک دم کا بھروسہ نہ رہے گا۔ زمین کا دامن ہمدردوں اور عزیزوں سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے زندگی سے مرنے والوں کا دل سیر ہے ہمیں دور دور تک زمین بھری ہوئی نظر آتی ہے

فرماتے ہیں کہ بھیا اب ہم قریب ختم ہیں رسول خدا کے اہل حرم تمھارے پیرو ہیں۔ ان کی نگہداشت کرنا، لویہ اثاثہ امامت سے اور بھائی دل چاہتا ہے کہ ہم جب مرجائیں تو نانا کے پہلو میں دفن کرنا لیکن بھائی اگر دشمن دفن نہ ہونے دیں تو لڑنا نہیں۔ اس لیے کہ اب بچتے ہیں اکیلے تم باقی ہو۔ اللہ اللہ اس قدر مجبوری، اتنی بیکسی وہ رسول خدا جو دنیا کے رسول تھے جن کے اختیار میں خدا نے دنیا کے خشک وتر دے دیے تھے، ان کے فوائے پر یہ وقت پڑا ہے کہ ایک قبر کی جگہ چاہتا ہے۔ لیکن ملنے کا یقین نہیں، اور پھر یہ یقین غلط تھوڑی تھا جیسا خیال تھا ویسا ہی ہوا وفات کے بعد حسین لاش لے کر چلے اور رسول کے روضہ میں قبر کھدوا رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی سی زمین کھدی تھی کہ لوگوں کو خبر ہو گئی حسین زبردستی قبر سے ہٹا دیے گئے اور حسن کی لاش کو کا ندھا تو کس نے دیا۔ مگر ہاں چاروں طرف سے تیز برسائے جا رہے ہیں۔ مگر خیر حسن نے نانا کا پہلو نہ پایا۔ تو مال کے پاس تو دفن ہوئے مگر حسین پر ایسا ظلم کیا گیا کہ آخر گھر چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے، مگر وہ حسرت نہیں بھولتی کہ وطن میں موت آئے، گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں اور جو ملتا ہے پوچھتا ہے اس کے پاس بیٹھ جلتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے کوفہ والے مجھ سے نانا کا روضہ چھڑائے دیتے ہیں۔ اب فاطمہ کی قبر پر کون فاتحہ پڑھے گا۔ ہائے ہم گھر چھوڑ کر پردیس میں مرنے چلے ہیں۔ راستے بھرا ایسی سی باتیں کرتے۔ آخر اس جگہ پر پہنچ گئے جس جگہ کا وعدہ کیا تھا جس گھوڑے پر

سوار تھے وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اب دوسرے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ لیکن اس نے بھی قدم نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ پانچ گھوڑے بدلے جب کوئی نہ بڑھا تو گھوڑے سے اترے مجھک کر تھوڑی سی خاک اٹھائی اور منگھی اپنے خون کی بو معلوم ہوئی۔ قافلہ والوں سے کہا بھائیو حسین کا سفر ختم ہو گیا، یہی زمین کہہ رہے ہیں یہ کہہ کر پھٹ گئے اور وہ انتظام جو غربت میں مرنے والوں کو لازم ہیں وہ ہونے لگے۔ لوگوں سے پوچھا یہ زمین کس کی ملک میں ہے۔ معلوم ہوا کہ بنی اسد کی ملکیت ہے۔ آپ نے بلایا اور کہا اے مہمان نواز و تمھارے نبی کا فواسہ اس جنگل میں آ نکلا ہے اور چاہتا ہے کہ اب اس جنگل کو آباد کرے۔ یہ زمین ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم بھی غلام ہیں زمین بھی حاضر ہے مگر مولانا ہم بزرگوں سے سُننے آئے ہیں کہ اس زمین پر جو ولی خدا رہا اس پر مصیبت ضرور پڑی۔ آپ یہاں نہ رہیے۔ امام نے کہا کہ ہم ملنے ہی کو تو آئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ وہ زمین مولیٰ۔ اب یہ خیال آیا کہ قبر کی جگہ تو لے لی۔ مگر اب حسین کو دفن کرے گا کون جو ان بیٹا بھی تو نہ ہوگا جو باپ کی لاش قبر میں رکھے۔ اب اس کا انتظام بھی فرماتے ہیں۔ پھر اہل قریہ کی طرف مخاطب ہوئے کہا اے بنی اسد یہ زمین ہم پھر تم کو ہمہ کرتے ہیں مگر تین شرطوں سے اول تو یہ کہ جنگل میں سب جگہ زراعت کرنا مگر اتنی زمین چھوڑ دینا جس پر ہماری قبریں ہوں تاکہ پردیسوں کی قبروں کے نشان نہ مٹ جائیں دوسرے جب کوئی زائر ہماری زیارت

تیسری مجلس

حال ولادت و فضائل جناب امام حسین علیہ السلام
و شہادت جناب مسلم علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى
إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَمْرُ بَعِيْلَيْنِ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِرْ عَنِّي أَبْنَ
أَشْكُرْ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَتِي وَأَنْ أَعْمَلَ
صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلَحَ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَ
رَافِقِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اس آیت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ ہم
نے انسان کو اس کے والدین کے حق میں احسان کرنے کا حکم دیا۔ اس
کی ماں نے اُسے تکلیف سے حمل میں رکھا اور تکلیف ہی سے اس کو
جنا اور اُسے حمل کی اور دودھ پینے کی کل مدت تیس مہینے ہیں۔ یہاں تک
کہ وہ اپنی قوت کو پہنچا۔ اور جب چالیس برس کا ہو گیا تو اُس

کو آئے تو پہلے تین دن تک اُسے آرام سے رکھنا پھر غریب کی قبر پر
لانا تیسرے یہ کہ جب میں قتل ہو جاؤں تو مجھے دفن کر دینا۔ اب اور
تاکید فرماتے ہیں۔ اہل قریہ سے یہ کہہ کر اُن کی عورتوں کی طرف پھرے
اور فرمایا کہ سُنو حسین جس طرح ان کا مہمان ہے اسی طرح تمہارا بھی اگر
تمہارے مردوں کو عمر سعد کا خوف دفن نہ کرنے دے تو تم رحم کھا کر
اُن کو آمادہ کرنا۔ اس کے بعد بھی تسکین نہ ہوئی اور اب حسین اُن کے
بچوں کی طرف مخاطب ہوئے۔ اہل قریہ کی گود سے لے کر اپنے زانو پر
بٹھایا، پیار کیا، سروں پر ہاتھ پھیرا کہا بچو! حسین تم سے بھی ایک
آرزو رکھتا ہے حسین غریب ہے۔ دیکھو اس پر رحم لازم ہے اگر
تمہارے ماں باپ مجھے دفن کرنے نہ آئیں تو پہلے تم ان کو مستعد کرنا
اور اگر یہ نہ مانیں تو اے کم سن بچو تم ہی جنگل میں کھیلے ہوئے چلے آنا،
تم سے قبریں تو کہاں بنیں گی۔ مگر ہاں ایک ایک مٹھی خاک لے کر
ہماری لاش کو چھپا دینا۔

عرفان المجالس جلد اول

مصنف :- جناب علامہ الحاج الیہ صفدر حسین صاحب قبلہ نجفی
امین بیس مجالس درج ہیں لکھائی چھپائی عمدہ۔ آفسٹ طباعت سید کاغذ ہدیہ مناسب
ملنے کا پتہ :- امامیہ کتب خانہ مغل حویلی۔ اندرون ہوچید وازہ۔ لاہور

اور فرمایا اے جبریلؑ وہ میری اُمت سے نہ ہوں گے میں اُن سے
بیزار ہوں۔ جبریلؑ نے کہا صرف آپ ہی نہیں خدا بھی بیزار ہے۔ ایام
طفلی میں حسینؑ کا جو مرتبہ بڑھا گیا وہ اس لیے تھا کہ جب رسولؐ نہ ہوں
تو ان محبت بھری باتوں کو یاد کر کے اُمت نبیؐ حسینؑ کی قدر کرے جب
حسینؑ ضد کرتے ہیں کہ نانا ہمارے پاس اُونٹ نہیں، تو رسولؐ خدا
ایسے کاندھوں پر بٹھالیتے ہیں جب حسینؑ کہتے ہیں کہ نانا یہ کیسا اونٹ
ہے کہ جس کی ہمارا نہیں۔ رسولؐ خدا اپنی زلفوں کو بل دے کر حسینؑ
کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ منبر پر احکام خدا
بیان فرما رہے ہیں اور حسینؑ دروازہ مسجد سے ڈرتے ہوئے نکلے پاؤں
دروازے میں الجھا رسولؐ بنیاب ہو گئے۔ وعظ و نصائح کو چھوڑ کر بے تحاشہ
دوڑے اور فرزند کو گود میں اٹھا لیا حسینؑ کو کسی نے گرایا نہیں۔ اُس
پر رسولؐ کا یہ حال ہوا۔ کہاں تھے رسولؐ کہ بلا میں کہ دیکھتے اسی حسینؑ کو
لوں میرے مار مار کر گرا رہے ہیں۔ یا یہ واقعہ حسینؑ کی منزلت میں کیا
کم ہے کہ ایک روز دونوں بھائی نانا کے پاس بیٹھے رہے یہاں تک
کہ نصف شب گزر گئی، اب ماں کی یاد آئی اور اُنھ کو چلے، اندھیری
رات تھی مگر برسات کی رات نہ تھی، تارے چھپے ہوئے تھے صرف ماتاب
نہ تھا۔ زمین کی پستی و بلندی پر بخوبی نظر پڑ سکتی تھی، خدا کو ناگوار
ہوا کہ حسینؑ کے قدم اونچی نیچی زمین پر پڑ کر ایذا پاتے رہیں، اب رو باد
کا پتا نہ تھا کہ ایک بجلی زمین پر آئی اور شمع کی صورت حسینؑ کے آگے آگے

نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اُس
نعمت کا شکریہ بجا لاؤں جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائی
ہے، اور میں کوئی ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور
میرے لیے میری اولاد میں صالح پیدا کر دے۔ بیشک میں نے تیرے
حضور میں رجوع کی ہے اور یقیناً میں فرماں برداروں میں سے ہوں
اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ برگزیدہ درگاہ خدا کوں مظلوم ہے کہ جس کی
شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے مفسرین کا اتفاق ہے اس بات
پر کہ یہ آیت مظلوم کربلا امام حسینؑ کی شان میں ہے چنانچہ تفسیری
تاریخ شعبان کی وہ تاریخ ہے کہ جس میں امام حسینؑ کی ولادت
ہوئی ہے۔ رسولؐ خدا کا یہ نواسہ وہ نواسہ ہے جس کی نسل سے علم
رسالت باقی رہا ہے۔ ملائکہ کی صفوں پر جیفیں آ رہی ہیں کہ رسولؐ خدا
کو اُس مولود کی تہنیت دیں جس نے زمین پر آتے ہی اہل فلک
پر احسان کیا اور فطرت کو عذاب دیوئی و آخر دی سے نجات دی
مگر کیا یہ ملائکہ محض فقرات تہنیت کہہ کے پلٹ جاتے ہیں۔ نہیں ہرگز
نہیں۔ بلکہ تہنیت کے ساتھ رسولؐ کو امام کا پُرسا بھی دیتے ہیں،
اور کہتے ہیں... کہ اے نبیؐ برحق آپ کا یہ نواسہ کربلا کے جنگل
میں تین دن کا بھوکا پیاسا ظلم و جفا سے شہید کیا جائے گا حضرت
نے پوچھا اے جبریلؑ میرے لخت جگر کو کون قتل کرے گا،
کہا کہ آپ ہی کی اُمت کے جف کار۔ رسولؐ روئے

چمکتی ہوئی رواں ہوئی یہ اس لیے کہ شہزادے سہولت کے ساتھ راستہ طے کریں مگر کربلا میں یہی حسینؑ دن کو ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔ علی اکبرؑ کو ڈھونڈتے ہوئے کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی اُدھر جاتے ہیں پکار کر کہہ رہے ہیں۔ **وَاَعْلِيَا وَ اَكْبَرَا** اے جوانا مرگ بیٹا ضعیف باپ کو سچائی نہیں دیتا۔ اپنی آواز پھر سنا دو۔ بہر حال رسولؐ خدا کے سامنے بہت کم ایسے وقت نظر آتے گئے جن میں حسینؑ رسولؐ خدا کے زانو سے اگ بیٹھے ہوں اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ رسولؐ خدا جس نماز کی ہدایت کو آئے ہیں۔ اسی نماز کے سجدے میں ہیں اور حسینؑ کھیلے ہوئے مسجد کی طرف بھی آنکھ لٹکانا اور سجدے میں پا کر نیشٹ پر بیٹھ گئے، ادھر رسولؐ خدا کو حکم ہوا کہ اے رسولؐ حسینؑ کا دل نہ کڑھے، سجدے کو طول دیتے۔ جاؤ جب تک کہ حسینؑ خود سے نہ اتریں اُس وقت تک سجدے سے سر نہ اٹھانا اور سجدے کے بعد بیٹھے بھی تو حسینؑ کو گلے سے لگا رہے ہیں گلو اور پیشانی کے بوسے لے رہے ہیں یہ سب جو میں بیان کر رہا ہوں۔ آپ سمجھے کیوں؟ تھا یہ اس لیے کہ حسینؑ کا مرتبہ بڑھے۔ رسولؐ نے چاہا تھا کہ میرے بعد میری عزت کی حرمت بڑھے۔ کیونکہ دین اسلام کا مدار فقط دو ہی چیزوں پر تھا۔ ایک قرآن دوسرے اہلیت جس کی بابت رسولؐ نے اپنے سفر آخرت اور دائمی مفارقت کرتے وقت فرمایا تھا **اِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ اَلثَّقَلَيْنِ كِتَابِ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِي اَهْلَ بَيْتِي مَا لَنْ تَمْسُكُمُ بِهِمَا لَنْ تَقْضُوا بَعْدِي**

ان دونوں میں اہل بیت کی حالت تو یہ تھی کہ ان کی وقعت نگاہوں سے بالکل گرا دی گئی تھی، ان کی قدر دلوں سے بالکل نکل گئی تھی۔ ہر شخص اپنے تئیں خلیفہ رسولؐ، حاکم دین، حاکم شریعت، حافظ اسلام سمجھنے لگا تھا۔ نہ تو کوئی شخص احکام سی اہلیت سے پوچھتا تھا، نہ کوئی ان سے مسائل ہی حل کراتا تھا، نہ کوئی معرفت اللہ کا سبق اُن سے لیتا تھا، نہ ان کی محبت سے فائدہ اٹھاتا کوئی پسند کرتا تھا۔ بلکہ اس کے عوض راس و رئیس اہل بیت کو بصرے اور کوفہ کی مسجدوں میں یہ سب و شتم سے یاد کیا جاتا تھا، اور اس پر لوگوں کے وظیفے مقرر تھے غرض جو باتیں تھیں تمسک اہل بیت کے برعکس تھیں۔ مستراح شریف پر بھی تمسک کی۔ یہ حالت ہو گئی تھی کہ شراب حلال سمجھی جانے لگی تھی۔ فسق و فجور پھیل چکا تھا، قمار بازی جائز سمجھی جاتی تھی مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہی تھا۔ پھر اسلام کے مٹ جانے میں باقی ہی کیا رہ گیا تھا۔ دس پانچ اصحاب رسولؐ باقی تھے۔ ان کے فوت ہو جانے پر کوئی یہ بھی نہ پوچھتا کہ اسلام تھا کیا۔ کون اس کا بانی تھا۔ کیوں اس کی بنیاد پڑی تھی۔ ہاں جس کو فطرۃ جوش اسلام تھا وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا وہ کون نبیؐ کا غیرت دار نواسہ عزیز مظلوم حسینؑ ابن علیؑ۔ اگر یہ کہا جائے کہ حسینؑ ملک گیری کے لیے اٹھے تھے تو خدا کے لیے کوئی اتنا توبہ دے کہ حسینؑ میں ملک گیری کی کون سی شان تھی۔ کیا غریب الوطنی کے دکھ سلطنت دلواتی ہے کیا بڑی بڑی فوجوں سے تنہا تھے نہ پچھے

حضرت مسلمؓ مکہ سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ آگے آگے ایک
 آسودہ حشری اور پیچھے پیچھے ایک شکاری چلا آتا ہے۔ ان کے قریب آکر
 اُس شکاری نے ہرن کو ذبح کیا۔ حضرت مسلمؓ بیٹے اور عرض کیا کہ یا بن
 رسول اللہ میرے واسطے یہ نامہ بری اچھی نہیں معلوم ہوتی یہ شگون اچھا
 نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ اچھا تم نہ جاؤ۔ اگر مہشت ہے تو میرے ساتھ
 رہو مگر ہم اہل بیت ان شگونوں کو نہیں مانتے اور راضی برضا ہیں۔ مسلمؓ نے
 کہا مولا مجھے اپنی جان کی پروا نہیں ہے خیال کرتا ہوں کہ آپؐ کو مصلحت
 نہ اٹھانا پڑے میں جاؤں گا۔ یہ کہہ کر امامؐ کے دست و پا کے بوسے لیے
 اور شدت سے روئے، اور کہا مولا معلوم ہوتا ہے کہ میرے لیے آپؐ کی
 یہ زیارت آخری ہے جسینؑ نے گلے سے لگایا اور خود بھی روئے بجائی
 کو رخصت کیا۔ اس رونے کا اثر ایسا پڑا کہ حضرت مسلمؓ کے دو صاحبزاد
 بھی ہمراہ چلے۔ یہاں تک کہ کوفہ میں پہنچے اور مختار کے گھر میں
 مقیم ہوئے۔ کوفہ والوں نے بیعت کرنا شروع کی۔ بیاسی ہزار
 آدمیوں نے بیعت کی۔ حضرت مسلمؓ نے امام کو خط لکھا اور طلب
 کیا ادھر امامؐ مکہ سے چلے۔ ادھر ابن زیاد کوفہ کا حاکم بن کر آیا اور اہل
 کوفہ کو ورغلا کر فساد پر آمادہ کر دیا، سب کے سب مسلمؓ کے خلاف
 ہو گئے۔ شب آخر تو یہ کیفیت تھی کہ مسلمؓ گلیوں میں اماں ڈھونڈتے پھرتے
 تھے اور کوئی جگہ نہیں ملتی تھی، یہاں تک کہ طوعہ کے مکان میں پوشیدہ ہوئے
 وہاں ابن زیاد کو خبر ہو گئی۔ اس نے ایک ہزار سوار جلجج کے ساتھ مقابلے

کے کرمقابلہ کے لیے جاتے ہیں۔ کیا بہتر آدمی شام کی سی بڑی اقلیم فتح
 کر لیتے ہیں، کیا جو شخص سلطنت کے ارادے سے نکلتا ہے وہ گھر سے
 روتا ہوا چلتا ہے۔ حسینؑ رسول خدا کی قبر سے لپٹے ہوئے رو رہے ہیں
 کہتے ہیں کہ اے ماما مجھے لوگوں نے بہت بتایا ہے مجھے اپنی قبر میں لے
 لیجئے۔ یہاں سے اٹھتے ہیں تو بھائی کی قبر پر آتے ہیں۔ کہتے ہیں لو بھائی
 تم کو خدا کو سونپا جسینؑ جاتا ہے۔ ماں کی نوبت پر دیر تک ماں کی جھنجھول
 کو یاد کر کے رویا کے مجھ بخفیفہ کو وصیت نامہ لکھ کر دیا کہ میں طلب دولت
 کو نہیں اٹھا میں اپنے نانا کے دین کی حفاظت کیسے جانتا ہوں۔ وصیت نامہ
 دے کر روانہ ہوئے۔ چونکہ اول سی سے لوگوں کا خیال تھا کہ مکے میں ٹھہرنے
 سے حسینؑ کو اذیت نہیں ہوگی، اس لیے آپؐ وہاں بھی نہ ٹھہرے وہاں
 بھی غلط پر خط آئے۔ یہاں تک مجبور کیا کہ امامؐ کا ارادہ ہو گیا کہ کوفہ
 جاؤں۔ مگر جانتے تھے کہ میرے یوں چلے جانے سے لوگ کہیں گے کہ بغیر
 حالات دریافت کئے ہوئے کیوں گئے۔ اس خیال سے آپؐ نے جواب
 نامہ لکھا کہ یہ خط ہے حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے اہل کوفہ کے نام واضح
 ہو کہ ہانی بن عروہ اور سعد بن عبد اللہ یہ آخری نامہ میری جہت سے
 پاس آئے اگر تم چاہتے کہ مجھے اپنا امام بناؤ تو تمہارے صدق و کذب
 کے دریافت کرنے کو اپنے برادر اور معتد مسلم بن عقیل کو روانہ کرتا
 ہوں۔ اگر تمہارے قول و فعل کو معتبر پا کر انھوں نے مجھے مطلع کیا تو
 عنقریب حسینؑ تم سے آملے گا۔ یہ خط حضرت مسلمؓ کو دے کر روانہ کیا۔

بے وارث بچے بھوک سے بیتاب ہو کر بلک رہے ہیں۔ لوگ صدقے کے خرمے اور روٹیاں پھینک رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک برآمدے کے نیچے زینب کا ناقہ اور حسین کا سر پہنچا۔ اس برآمدہ پر تین عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ اے قافلہ والو یہ سر جو بلند نیزے پر ہے، یہ کس کا سر ہے۔ لوگوں نے کہا یہ نبی کے واسطہ کا سر ہے۔ یہ سننا تھا کہ عداوت کا شعلہ اُس کے دل میں بھڑکا زمین کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک پتھر اٹھایا اور حسین کی طرف پھینکا یہ بڑی بے عزتی ہوئی۔ حسین کی بڑی ہتک ہوئی۔ اس چوٹ کا اثر امام کے دل پر بھی زائد ہوا۔ سر میں روح نہ تھی خون کہاں سے آتا، مگر معجزہ سے اس چوٹ کا اثر دکھا دیا۔ ادھر زینب کی نظر پڑی۔ دیکھا کہ بھائی کے سر سے خون جاری ہے دنیا اندھیر ہو گئی۔ مگر بے والی دوارث انتقام کیونکر لے، اپنے ہی اوپر زور ہے، چوب محل پر سر دے مارا اور کہا "اے میری ماں کے چاند، ابھی تو تو کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ گن گن گیا۔"

کو بھیجے، مسلم تلوار کھینچ کر بائزکل آئے۔ لڑنا شروع کیا، ایک ہزار سے اکید کا مقابلہ کیا، اس پر حجاج نے دوسری فوج طلب کی جب ابن زیاد نے کہلوایا کہ اے حجاج تو ایک شخص کو گرفتار نہیں کر سکتا، تو حجاج نے کہلوایا کہ تو نے مجھے کسی بقال کے مقابلے میں نہیں بھیجا ہے یہ سنی ہاشم میں۔ ان سے لڑنا آسان نہیں ہے۔ ادھر دوسری فوج آئی اور عورتوں نے مکان پر چڑھ کر پتھر برسانا شروع کئے۔ یہ ایسی تدبیر تھی کہ جو حجاج کو پسند آئی اور اپنی فوج کو بھی حکم دیا کہ لوگ سنگ باری کریں جب نزدیک اور دُور سے پتھر آنے لگے تو مسلم مجبور ہوئے اور انگوٹوں میں آئسو جبر کے کہا کہ رسول خدا نے تو کافروں پر بھی ظلم روا نہیں رکھا، اور تو انھیں کی اولاد پر یہ ستم کرتا ہے، یہ نہیں جانتا کہ میں مسافرت میں ہوں میں کہتا ہوں کہ اے حضرت مسلم آپ کو قضا نے کر بلا میں نہ پہنچنے دیا ورنہ آپ کے دل پر اس سے زائد چوٹ لگتی۔ جب دیکھتے کہ خود حسین پر چاروں طرف سے پتھر برس رہے ہیں۔ کبھی سینہ کی چوٹ کو ہاتھوں سے دبا لیتے ہیں، کبھی خون بھری پیشانی پکڑ لیتے ہیں۔ اس سنگدلی کی یہ ابتدا تھی جو کوفہ میں ہوئی اور وہ حد اوسط تھی جو کربلا میں حسین اور اصحاب حسین کے ساتھ کی گئی اور انتہا شام کے بازاروں میں ہو گئی۔ عداوت وہ شے ہے کہ زندگی بھر انسان کو راحت سے نہیں رہنے دیتی، مگر مرنے کے بعد چلی جاتی ہے مگر حسین سے خدا جانے کیسی دشمنی تھی کہ مرنے کے بعد بھی نہ گئی شام و کوفہ کے بازار سے اہل بیت گزر رہے ہیں۔ قافلوں کے مارے

تو کثرت سے یہی دیکھا گیا ہے کہ چارہ و تدبیر کی راہیں بند ہو جاتی ہیں
دل و دماغ اس ناقابل برداشت بار کے اٹھانے سے ضعیف ہو
جاتے ہیں، اعضاء میں سکت باقی نہیں رہتی، اور یہ جو کچھ بھی ہوتا
ہے ٹھیک ہے اس لیے کہ صبر کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو یقین دہانی دینے
کے اظہار سے روکے، اور جس چیز کو بے اختیار دل چاہ رہا ہے اس کا
استعمال نہ کرے۔ جس عمدہ شے کے روکنے اور رکھنے پر دل اصرار کر
رہا ہے، اُس کو بلا تامل چھوڑ دے، اور اُس راہ سے جس پر دل
چاہتا ہے رخ موڑ کر اُس راستے پر کر دے جس پر دوسرے دل
کی رضا اور خواہش ہے، اور اُس کے حکم پر صبر کرنا بڑا سخت کام
اور انتہائی دشوار محم ہے۔ انسان ہر شے کا مالک بنتا ہے۔
مگر خود کسی کے بس میں ہے تو وہ صرف یہی ایک مشقت استخوان
دل ہے۔ نہ دل کا ضعف ہمارے بس میں ہے اور نہ قوت ہمارے
قابو میں ہے، بلکہ ہم خود اُس کا حکم بجالانے والوں میں ہیں۔
یہی بیشک سے نازک دل کبھی صبر سے پتھر کی سل کا بار اٹھالیتا ہے
اور کبھی تنفس کے ہلکے جھٹکے سے پور پور ہو جاتا ہے۔
اس بے قابو خنہ کو اپنے بس میں کر لینا بڑے دل والوں کا
کام ہے۔ اپنی رضا پر دوسرے کی مرضی کو مقدم کرنا بڑی
بے نفسی کی دلیل ہے۔ اس مقام پر صبر دو قسموں پر تقسیم ہو گیا ہے اس
لیے کہ دل دو طرف رجوع ہوتا ہے۔ کبھی تو خود صبر کو پسند کرتا ہے مثلاً گھر

پوتھی مجلس

صبر کی تعریف شب ہجرت امیر المومنین علیہ السلام
کا بستر رسول پر آرام کرنا، اور شہادت و ہرب کلمی
قَالَ اللَّهُ سُحَّانَهُ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْحَمِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ أَفَمَنْ يَعْلَمُ تَمَّ أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ تَرَاتُكِ الْحَقُّ
كَمَنْ هُوَ أَعْلَى إِنْ مَاتَ تَذَكَّرُوا أُولَ الْأَنْبَاءِ

خداوند عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے، کہ اے
ہمارے رسول! بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پروردگار
کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے بالکل درست اور حق ہے۔ کیسے اُس
شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو مطلقاً اندھا ہے نہیں (ہرگز نہیں) بس
اس سے تو کچھ سمجھدار ہی لوں نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ایک زیریں مطلب بیان کیا گیا ہے اس کے بعد
لسان قدرت نے صبر پر روشنی ڈالی ہے۔ صبر ایک خدا داد قوت کا نام
ہے جو انسان کے بڑے بڑے اور نہایت اہم وقوتوں میں کام آتا ہے
امیر المومنین کا قول ہے کہ صبر ایمان کے تمام زیوروں سے عمدہ زیور
ہے۔ اور ہے بھی یہی بات۔ اس لیے کہ جب مصیبت آتی ہے

لٹ رہا ہے اور انہوہ کثیر ظلم پر تولا ہوا ہے۔ اور مصلحت حکم دیتی ہے کہ صبر کرو یا کسی مجمع میں گھر گئے ہیں اور یقین ہے کہ ہم اس میں سے زندہ بچ کر نہ نکلیں گے۔ مگر دل کہتا ہے کہ غیرت سے کنہ کش نہ ہو حیثیت کو نہ چھوڑو، صبر سے کام لے کر لڑتے جاؤ، یہاں تک کہ فنا ہو جاؤ۔ یہ صبر تحت شجاعت ہے بہادری کی شان ہے۔ جس طرح شب ہجرت امیر المومنینؑ نے کیا۔ رسول خداؐ مکہ کے ایک مکان میں آرام کر رہے ہیں اور کفار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے سوئے والے کا نظارہ کر رہے ہیں، تلواروں پر صیقل ہو رہی ہے پتھر جمع ہو رہے ہیں وہ انتظام ہے کہ اللہ کی پناہ اور رسول خداؐ تنہا ہیں اصحاب بھی اس وقت موجود نہیں ہیں۔ وہ لوگ جو مہاجرین کا لقب پانے والے ہیں، وہ بھی اپنی جان بچاتے ہوئے ہیں، ہاں ایک پہلو سے محبت کی بو آ رہی ہے۔ ایک بست سالہ نوجوان کو اپنے بستر پر سوئے کے لیے آمادہ دیکھتے ہیں۔ آخر فرماتے ہیں کیوں اے ابن عم اے میرے وصی کیا تم اپنی جان مجھ پر نثار کرنا چاہتے ہو۔ میری رضا پر راضی ہو، علیؑ عرض کرتے ہیں ۱۰۔ رسول خداؐ میں تابع حکم ہوں۔ آپ تشریف لے جاتے یہ کہہ کر تلوار پہلو میں رکھ لی اور رسول خداؐ کی مشہور سبز چادر اوڑھ کر خدا کی راہ میں سر دینے پر راضی ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ خدا خضر کر رہا تھا کہ اے میرے فرشتو! اے نفوسِ قدسیہ رکھنے والو! اے میرے عرش کے حاملو! دیکھو! علیؑ ابن ابی طالبؑ سے حمزہؓ و بہادر

لوگ بھی ہیں، کہ بھائی پر نثار ہونے کو کس بے پرواہی کی نیند سو رہے ہیں۔ دوستوں کا باوفا ہونا اصحاب کا محبت و از کھنا، دشواری نہیں بلکہ بحد مشکل ہے۔ رسول خداؐ کے اصحاب میں اس وقت اگر کوئی قابلِ قدر نکلا تو وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا دم تھا۔ ایسا واحد مفکر کسی کے حصے میں نہیں آیا کہ اس کے تمام اصحاب باوفا ہوں۔ تمام دوست چاہنے والے ہوں، ہاں اگر ایسے کچھ لوگ تھے تو صرف وہ جن کے لیے امام زمانہؑ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یَا بَنی اَنْتُمْ وَاَرْحَمُ طِبْتُمْ یَا اَنْصَارَ اللّٰہِ اے خدا کی نصرت کرنے والو! میرے ماں باپ تم پر خدا ہوں۔ ایک امام کا یہ فقرہ، اور ایک کا وہ انتخابی جملہ جو امام نے شب عاشور فرمایا ہے کہ جیسے باوفا اصحاب مجھ کو ملے کسی کو نہیں ملے۔ عزا دارانِ حسینؑ میں آج آپ کے سامنے ایک ناصر حسینؑ کا حال عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ کون! وہ سب ابن عبد شہر بن کی شادی کو سترہ یا اٹھارہ دن ہوئے تھے کہ ان کی ماں کو خبر ہوئی کہ امامؑ مرنے کو جاتے ہیں اور بیٹے کا ہاتھ ختم کر ساتھ ہو لیں۔ بقول ناسخ التوارخ جب روز عاشورہ اکثر انصار حسینؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکے، تو وہ سب میدان میں آئے اور تھوڑی دیر لڑنے کے بعد واپس آئے ماں سے کہا کیوں، اب تو راضی ہوئیں، کہا اے نورِ نظر! میں راضی نہ ہوں گی جب تک حسینؑ کے آگے خون میں لٹتے نہ دیکھوں گی۔ جا پھر مقتل میں پلٹ جا زوج نے جو بیٹنا، آواز دی کہ اے وہ سب! مجھے بخاری

فرقت گوارہ نہیں ہے تم نہ جانا۔ ماں نے کہا۔ اے دہب عورتیں! فصل بھل
 ہوتی ہیں، ہرگز ہرگز اپنی زوجہ کے کلام پر عمل نہ کرنا۔ بیٹا قیامت کے
 دن مجھے میری شاہزادی فاطمہ زہرا سے شرمندہ نہ کرنا اور اگر تم نہ گئے
 تو میں تمھاری شکایت حشر میں کروں گی۔ ہرگز نہ ٹھہرو۔ میں تمھیں خوشخبری
 دیتی ہوں کہ اگر آج تم شہید ہو گئے تو جنت میں خدا تمھیں عور عطا کریگا۔
 زوجہ نے کہا کہ میں اسی لیے تو روکتی ہوں، پہلے امام کے پاس چلو اور
 یہ اقرار کر لو کہ میں بغیر تمھارے جنت میں نہ جاؤں گا، اور فردوس میں
 بھی تمھارے ساتھ بسر کروں گا، اس کے بعد جاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں زن
 وشوہر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی اے میرے سید و آقا، یہ میرا شوہر
 لڑنے کو جا رہا ہے عنقریب میں بیوہ ہوا چاہتی ہوں، امیدوار ہوں کہ دو
 باتوں کا عہد اس سے لے لیجئے، اور آپ اُن دونوں باتوں میں ضامن
 ہو جائیے۔ اول یہ کہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کی نصرت میں اس کو بعد وفات
 درجات عالی جنت میں ملیں گے۔ خوریں اس کی خدمت کے لیے عطا ہونگی
 یا بن رسول اللہ آپ عہد لیجئے اور ضامن ہو جائیے کہ قیامت کے دن
 یہ اُن عورتوں کے سامنے مجھے اپنے دل سے نہ بھلا دے، ایک عرض
 اور ہے، وہ یہ ہے کہ مولا غوث واقف ہیں کہ زندا پابری چیز ہے۔ بے
 وارث ہونا ہزار آفتوں کا باعث ہے، میں چاہتی ہوں کہ جب یہ شہید ہو
 جائیں۔ اُس وقت سے مجھے میری شاہزادی جناب زینب کی کینزی میں
 دے دیا جائے۔ خدا جانے مولا شام کے بعد کیا ہو، اہل شام اپنے اسیرے

کیونکر پیش آئیں کس کا پردہ رہے اور کس کا اٹھ جائے وہ جناب سیدہ
 کی نشانی ہیں، اہل کفر ضرور ان کا احترام کریں گے، شہزادی کے تصدق
 سے میرا بھی پردہ رہ جائے گا۔ امام بے اختیار ہو کر روئے، گویا مطلب
 یہ تھا کہ شام تو ہو دیکھ لینا۔ انھیں زینب کی مشکیں کس بیدردی سے
 باندھی جاتی ہیں۔ الغرض امام نے ضمانت کی اور زوجہ دہب نے دامن
 دہب کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ دہب میدان میں لڑنے لگے، دہب کی
 ماں اور زوجہ خیمہ سے باہر آکر بیٹھ گئیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دہب
 پلٹ آئے۔ یہاں انھوں نے ایسی جنگ کی کہ اُس تین دن کی پیاس میں
 اکتیس آدمیوں کو قتل کیا، ناگاہ داسنے ہاتھ پر ایک ضرب پڑی کہ
 بازو جدا ہو گیا۔ حضرت عباس کے غلام ہیں، فوراً بائیں ہاتھ میں
 تلوار لے لی کہ نصرت حسین میں کمی نہ ہونے پائے۔ یہ ہاتھ بھی جدا
 ہو گیا، اُس وقت دہب زندگی سے مایوس ہوئے اور چپ و راست
 بھرت نگاہ کرنے لگے۔ ناگاہ دیکھا کہ زوجہ چوب خیمہ ہاتھ میں لیے
 ہوئے لشکر پر حملہ آور ہیں، اور کہہ رہی ہیں، اے دہب میری ماں
 اور میرے باپ فدا ہوں تجھ پر، اور تیری بہادری پر، ہرگز درگاہ خدا
 سے ناامید نہ ہو، جس طرح بن پڑے حرم رسول سے اس بلا کو دفع کر
 یہ سن کر دہب نے کہا۔ اے مومنہ کیا تھا اس وقت کہ تو نصرت حسین
 کو منع کرتی تھی، اور اب ترغیب دلا رہی ہے۔ یہ سن کر زوجہ دہب نے
 کہا۔ اے دہب میں تمھاری محبت سے نہیں آئی ہوں، مجھ سے سبکی مام

طرف پھینکا، مادر وہب نے بیٹے کے خون آلود چہرے کو دیکھا، محبت
مادری کو جوش ہوا۔ سینے سے لگایا پیار کیا اور عمر سعد کی طرف پھینک
دیا۔ اور آواز دی کہ اے عمر سعد گو میں عورت ہوں۔ مگر بات کی دھنی
ہوں، جو چیز حسینؑ پر شاد کی وہ شاد کر دی، اب اس کو واپس نہیں
لے سکتی۔

پانچویں مجلس

کلماتِ خدا کی تعریف، معجزہ جناب امام حسین علیہ السلام
اور نصرائی کا ایمان لانا

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ
شَجَرَةٍ أَقْلَامٍ وَالْبَعْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةَ أَبْحُرٍ مَا
نَقَدْتُ كَلِمَاتِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
خداوند عالم اپنے کلام بلاغتِ نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر
تمام روئے زمین کے شجر قلم ہو جائیں، اور سمندر روشنائی بن جائیں
اور جس کے بعد سات سمندر اسے اور مدد دیں جب بھی کلماتِ خدا
ختم نہ ہوں گے، بے شک خدا غالب اور حکمت والا ہے۔

کی نہیں دیکھی جاتی حسینؑ ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں
داغِ بستانہ و قلعہ ناصراہ ہائے غریب الوطنی ہائے گمی انصارِ اہلبیت
اپنے اپنے خیموں میں بچپن ہو کر رو رہے ہیں۔ اس لیے میرا دل پھٹ گیا
اور میں نے سوچا کہ بعد اولا در رسولؐ کے جینا بیکار ہے۔ بہتر ہے کہ
میں بھی اس بلال کے دفع کرنے کی تدبیر کروں، اور اگر مار ڈالی گئی تو
فاطمہ زہرا کے سامنے سر خرہ ہوں گی۔ یہ ٹھنفا تھا کہ وہب کی
غیرت نے وہب کو جوش میں زوجہ کی طرف پھیر دیا، اور گھوڑا دوڑا
کر قریب آئے۔ دونوں ہاتھ نہ ہونے کے سبب ٹخموں پر تھے، مگر دانتوں
سے زوجہ کی ردا پکڑ کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ اور کہا، اے مومن واپس
جا کہ عورتوں کو اذنِ جہاد نہیں ہے اور پکارے، مولا آپ کی محبت
میں اُس نے میری عزت کا بھی پاس نہ کیا اور سرِ برہنہ خیمہ سے نکل آئی
اسے واپس بلالے لیجئے۔ یہ سن کر حسینؑ غریب قریب آئے اور ردا کو
زوجہ وہب کے سر پر ڈالتے جاتے تھے اور فرماتے تھے، اے زن وہب
واپس آ، عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے۔ امیرِ اہل حرم میں مل کر رہ
اُس نے کہا، مولا مجھے حسرت ہے کہ میں اپنی جان فدا کروں، جب دنیا
میں آپ نہ ہوں تو پھر جینے کا مزہ ہی کیا ہے، یہ کہہ کر لشکر میں ڈوب
گئی۔ شمرؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کو ہلاک کر دے۔ اُس ملعون نے
ایک ایسا گرز لگایا کہ یہ مومنہ شہید ہو گئی۔ وہب کی ماں دیکھتی رہیں۔
اس کے بعد لوگوں نے وہب کا سر مجدا کیا اور عمر سعد کے حکم سے لشکرِ حسینؑ

پر سات سمندر اسے اور مدد دیں، اور یکے بعد دیگرے پہنچتے رہیں اور وہ بھی خشک ہو جائیں۔ جب بھی کلماتِ خدا ختم نہ ہوں یعنی یہ ممکن ہے کہ آنکھوں کی سیاہی نکھٹے نکھٹے دفتروں کی سفیدی کو سیاہ کر دے اور خود آنکھیں سفید ہو جائیں، مگر یہ محال ہے کہ کلماتِ خدا ختم ہو جائیں، الغرض یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کلماتِ خدا کیا ہیں جو باوجود ان کثیر تعدادِ قلموں اور سیاہیوں کے استعمال کے بعد بھی نہیں نکھٹے جاسکتے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کلماتِ الہی عرش و فرش و آسمان و زمین و ماہ و ماہی و ثری و ثریا و درخت و حجر و ثمر و نباتات و جمادات انسان و حیوان آپ ہوا خاک و آتش خلاصہ یہ کہ جو کچھ عالم وجود میں ہے وہ سب کلماتِ خدا میں داخل ہے اور جس طرح ہر اک کلمہ ہے، اسی طرح ہر ذرہ زمین بھی اک کلمہ ہے اور یہی چیزیں ایسی لیے شمار ہیں کہ اگر تفصیل سے لکھنا چاہیں تو یہ قلم و روشنائی تمام ہو جائے اور کلماتِ خدا ختم نہ ہوں۔ مگر کتبِ سماویہ کے مطالعہ سے وہ بات معلوم ہوئی جو اس سے بالکل الگ ہے اور کتابِ اولِ توریت یعنی کتابِ پیدائش میں تحریر ہے کہ خدا نے جب دنیا کو خلق کرنا چاہا، اور جس سے کوئی پیدائش مقصود ہوئی، اُس سے کہا ہو جاوے فوراً موجود ہو گئی یہی معنی ہیں (کُنْ فَيَكُونُ) کے اور اس سے ملتی ہوئی وہ روایت ہے کہ جو عبادِ حق سے منقول ہے کہ آپ نے رسولِ خدا سے پوچھا کہ آپ ابتداءً خلقت میں کیا تھے، فرمایا کہ ہم اک نور تھے اور جب خدا نے ہمیں پیدا کرنا چاہا تو اُس نور کے دو حصے کیے، ایک نصف سے کہا کہ تو نورِ محمد

اس آیت کے معنی و مقاصد کچھ سہی، لیکن نشانِ نزول یہ ہے کہ چند یہودی حاضر خدمتِ رسول ہوئے اور پوچھا، کیوں اے مساداتِ قائم کرنے والے نوعِ انسان کے حقوق برابر ہیں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا، بیشک سب انسان آپس میں برابر کا حق رکھتے ہیں پھر پوچھا اے محمدؐ روح کیا شے ہے جواب دیا کہ روح حکمِ خدا ہے یہودیوں نے کہا یہ جواب تو ہمیں کافی نہیں، اے محمدؐ تم اور تمھاری آل کا تو دعوے کا سُخُونِ فِی الْعِلْمِ ہونے کا ہے، اور ایسی ذرا ذرا سی باتوں کا بھی جواب نہیں دے سکتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سے زائد صاحبِ علم ہم ہیں، اور بے شک یہی ٹھیک بھی ہے اس لیے کہ جب انسان آپس میں برابر ہیں تو خدا نے تمھارے ہی قرآن میں کہا ہے اَوْفِيَتْهُمُ مِّنَ الْعِلْمِ اَلَا قَلِيْلًا یعنی تمھیں علم بہت بخش دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا علم تم سے بڑھا ہوا ہے، نہیں تو تمھارا علم بھی ہم سے زیادہ نہیں ہے۔

رسولِ خدا پر جب یہ ایراد کر کے یہودی چلے گئے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَكَوْنُ آتٍ مَّا فِی الْاٰخِرِ یعنی اے دینِ مسوُخ کے ماننے والو! اور اے موسیٰؑ کی بات اور غایت نہ سمجھنے والو! تم علمِ خدا کا احاطہ کرنا چاہتے ہو، تو سن لو کہ اگر تمام دنیا کے درخت قلم بن جائیں، اور سمندر روشنائی ہو جائیں، اور بحرِ محیط جو سب سے بڑا سمندر ہے وہ سیاہی کے کام میں لایا جائے، اور اس کے خشک ہونے

آئے۔ عرض کی درگاہ خدا میں اے آدمؑ کے پیدا کرنے والے یہ نور افسانہ انوار کیسے ہیں کہ میری آنکھیں خیر کی کرتی ہیں۔ وحی ہوئی اے آدمؑ یہ نور محمدؐ اور آل محمدؑ کا ہے، جو میرا حبیب ہے، اور تیری اولاد سے ہے۔ اور خاتم النبیین ہے۔ ہاں اے آدمؑ اگر میں محمدؐ و آل محمدؑ کو خلق نہ کرتا تو ہرگز نہ تم کو پیدا کرتا، اور نہ زمین و آسمان ہی کو خلق کرتا یہیں سے معلوم ہو گیا کہ جو ہر شے کی خلقت کا باعث ہے۔ وہی نور محمدؐ و آل محمدؑ ہے جس کے وسیلہ سے آدمؑ کی دُعا قبول ہوئی اور اگر میرا یہ خیال صحیح نہیں ہے تو ضرور ہے کہ اُن کلموں سے مراد وہی کلمے ہوں جن سے حضرت آدمؑ کی دُعا قبول ہوئی، جیسا کہ مشہور ہے کہ خدا نے جب نور محمدؑ کو پشت آدمؑ میں جگہ دے کر فلک چہارم پر انھیں جگہ دی اور تمام ملک دست بستہ صفیں باندھ کر پشت آدمؑ پر بٹھڑے، اور یوں نہیں ایک زمانہ گزر گیا تو حضرت آدمؑ پریشان ہوئے کہ جو بھی فلک کا رہنے والا ہے وہ پس پشت کھڑے نہ ہم کسی کو دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کی بات سن سکتے ہیں، یہاں تک کہ درگاہ خدا میں عرض کی کہ اے سب کی شننے والے یہ کیا معاملہ ہے؟ حکم ہوا کہ اے آدمؑ یہ اپنا مرتبہ جو تم دیکھ رہے ہو تمہارے شرف ذاتی کا باعث نہیں ہے بلکہ یہ اس نور کی برکت ہے جو تمہاری پشت میں موجود ہے جب حضرت آدمؑ نے یہ سنا تو عرض کی کہ اے میرے خالق پھر کسی ایسے عضو میں منتقل فرما کہ یہ فرشتے تو میرے سامنے آجائیں۔ خداوندِ عالم نے اس نور کو جبین آدمؑ میں منتقل فرمادیا، اور آدمؑ کی قسمت کا ستارہ بن کر نور محمدؑ و آل محمدؑ چمکنے لگا۔

ہے، اور دوسرے سے کہا کہ تو نور علیؑ ہے، اور یہی معنی میں
 اَنَا وَ عَلِيٌّ مِنْ نُورِ مُحَمَّدٍ وَ أَحِبِّدْہُ، اور رسولؐ خدا نے فرمایا کہ پھر میرے نور سے ایک شجرہ الگ کیا اور اس کا نام نور فاطمہؑ رکھا۔ اور علیؑ کے نور سے دو نور خلق کئے۔ ایک کا حسنؑ اور دوسرے کا نام حسینؑ رکھا، اور خدا نے فرمایا کہ اے ہمارے حبیب ہم تمہارے مرتبہ کو دنیا سے بڑھانا چاہتے ہیں، اس لیے ہم نے تم پر بختن کے نام بھی اپنے نام سے مشتق کئے ہیں سنو!

اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنْتَ مُحَمَّدٌ وَ اَنَا عَلِيٌّ وَ اَخُوکَ عَلِيٌّ وَ اَنَا فَاطِمَةُ السَّمَوَاتِ وَ بِنْتُکَ فَاطِمَةُ وَ اَنَا مُحْسِنٌ وَ سِبْطُکَ الْاَكْبَرُ الْحَسَنِ وَ سِبْطُکَ الْاَصْغَرَ الْحُسَيْنِ اے عباسؑ صبح نہ ہوئی تھی اور نہ شام کی سیاہی پھیلی تھی، نہ چاند نکلتا تھا نہ آفتاب آسمان کی راہیں طے کرتا تھا، نہ زمین پر ہوائیں چلتی تھیں، نہ آسمان پر بادل دوڑتے تھے، نہ ابر میں بجلی چمکتی تھی، نہ زمین پر ہنستے ہوئے پھول چپشماک زنی کرتے تھے، اس وقت خدا نے ہمارا نور خلق فرمایا اے چچا ہم اس وقت سے عبادت کر رہے ہیں جب کوئی آواز ہماری آوازوں سے پہلے نہ نکلتی تھی پھر جب دنیا کی خلقت منظور ہوئی تو خدا نے فرشتوں کے ذریعہ زمین سے مٹی منگائی اور اس سے کہا کہ تو آدمؑ ہو جا، پس وہ آدمؑ ہو گئی اور ہمیں پشت آدمؑ میں جگہ دی، فوراً آدمؑ چھینک لیتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور فرمایا۔ الحمد للہ، اور پہلی مرتبہ جو نظر اٹھائی تو ہمارے نور زیرِ عرش نظر

ممکن ہے کہ وہ یہی آل عبا اور ان کی ذریت طاہرہ ہو۔ بالخصوص اُس وقت جب یہ بھی معلوم ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے اگر سوال کیا گیا۔ مَا كَلِمَاتُ اللَّهِ مَوْلَا خَدَاكَ كَلِمَةً كَوْنٌ سَيِّئٌ لَكَ يَنْجُو مِنْهُ نَحْنُ كَلِمَاتُ اللَّهِ لِيُؤْخِضَ لِي لَوْ خِضَ لِي، ہم ہی خدا کے کلمے ہیں، اور ہم ہی خدا کی بولتی ہوئی زبان ہیں، اگر کم نہ ہوتے تو قرآن ناطق کے کیا معنی ہونے ہم نے قرآن کے معنی سمجھائے، تو ہم کو خدا نے قرآن ناطق فرمایا۔ علاوہ اس کے آیت میں کلمات کی جو خصوصیت ہے ان کا احصا نہیں ہو سکتا۔ وہ خصوصیت بھی اگر پائی جاتی ہے تو فضائل اہلبیت میں رسولؐ سے پوچھیے تو کہیں گے۔ لَوْ كَانَ الرِّيَاضُ أَقْلَامًا وَالْبَحْرُ حُجْرًا وَالدُّنْيَا حُجْرًا وَالتَّحَنُّنُ حُسْبَانًا وَالْإِنْسُ كِتَابًا مَا أَحْصَوْا فَضْلًا بَلْ عَلَيَّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ..... اگر تمام دنیا کے درخت قلم ہو جائیں، اور تمام دریا سیاہی بن جائیں، اور تمام جن حساب کریں اور تمام انسان مل کر اکھیں، جب بھی فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ کا احصا نہیں کر سکتے چنانچہ رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ جب میں جہان ہو کر افلاک کی رائیں طے کرتا ہوں چاروں طرف پہنچا، تو وہاں ایک ملک کو دیکھا جس کا سر آسمانوں سے بلند جس کے قدم زمین سے نیچے تھے۔ ایک ہاتھ مغرب میں دوسرا مشرق میں، اور یہ فرشتہ انگلیوں پر کچھ شمار کر رہا ہے میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ اے جبریلؑ یہ کون ملک ہے۔ اس نے وحی نے عرض کیا اے محبوبؑ کہ گارہ یہ ملک قطراتِ باران کو شمار کرتا ہے۔

بس ادھر جبریلؑ مبارک میں نور آیا۔ ادھر ایک منبر آراستہ ہوا اور وہ محمدؐ علیؑ جو دنیا میں صاحبِ محراب و منبر ہونے والے تھے ان کے نور نے آدمؑ کی بلندی پائی، اور ایک تاج نور نے نورِ آلِ عبا پر سایہ کیا جب آدمؑ کا یہ مرتبہ ہوا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبٰلٰٓسَ اَبٰی وَاَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ پس ہم نے کہا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو۔ تو سب نے سر جھکا دیے مگر ابلیس نے غرور سے انکار کیا پس خدا نے ابلیس پر لعنت کی اور حضرت آدمؑ کو حکم ملا کہ جاؤ جنت میں رہو مگر گندم نہ کھانا، حضرت آدمؑ آئے اور ایک درخت تک جنت میں رہے۔ آخر کار و سورۃ شیطانی سے ترک اولیٰ واقع ہوا، اور وہ پشیمانی حاصل ہوئی کہ آپؐ ایک سو برس تک کامل رویا کیے یہاں تک کہ بقول طبری سرانديپ کے پہاڑ کی گھاٹیاں آدمؑ کے اشکوں سے چھدک گئیں، جب ندامت انتہا کو پہنچی۔ فَتَلَقٰٓی اٰدَمَ مِنْ تَرْتِیْمٍ كَلِمَاتٍ فَنَابَ عَلَیْهِ بِمَعْرِفَةِ اٰدَمَ لَمْ يَنْفَعْهُ اَنْ يَّسْأَلْ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ سَمِعَ جَنَیْنًا یَّحْكُمُ بَيْنَهُمَا وَهُمَا قُلُوبُ بَیِّنٰتٍ عَلٰی فَاطِمَۃٍ وَحُسَیْنٍ! ہاں اولاد ایسی صاحبِ مرتبت تو ہو جو باپ کی خطا اپنا واسطہ دلانے سے بخشوالے۔ یہ بات کسی کو نصیب نہیں مگر محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو بیشک یہی وہ کلمات ہیں جو روزِ ازل آدمؑ کے پردہ پوش ہوئے اور آج ان یہودیوں کے سامنے سے علم کے پردوں کو ہٹا دیا۔ اس آیت میں جن کلموں سے خدا کی مراد ہے

کہ کس قدر بُنندیاں جنگل میں گریں، اور کس قدر دشت و جبل میں صرف ہوئیں
 یہ سن کر آپ اس ملک کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: *مَنُونَةُ* را ز خداوندی
 کوئی شے ایسی بھی ہے جس کا حساب تو نہ کر سکتا ہو۔ وہ ہنسنا اور کہاں! بس
 ایک چیز ایسی ہے جس کے حسابے شمارے میں عاجز ہوں، آپ نے فرمایا
 وہ کیا چیز ہے۔ اس ملک نے جواب دیا کہ وہ فضائل آپ کے داماد و ابن
 عم علی ابن ابی طالب کے ہیں، جو میرے احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ اب
 آپ ہی بتائیے کہ کلمات خدا سے اگر محمد و آل محمد خصوصاً جناب امیر المومنین
 مراد نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے پس جب کہ یہ عقلی و نقلی دونوں دلیلوں سے
 ثابت ہو چکا تو خود انصاف کر لیجئے، کہ جس چیز کے علم کے احصا میں
 دریا عاجز، تمام درختوں کے قلم کلمات خدا کے حصر کو ناکافی تو وہ سینہ
 کیا وسیع سینہ تھا جس میں خدا نے ان تمام چیزوں کو بھر دیا تھا، اور فرمایا
كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَا فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ہم نے تمام چیزوں کا
 احصا اپنے امام مبین میں کر دیا۔ اہل تفسیر میں یہ بات مانی ہوئی ہے
 کہ امام مبین سے مراد غالب کل غالب علی ابن ابی طالب ہیں انھیں
 چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہر دوست و دشمن کو ماننا پڑا کہ امیر المومنین کی
 ذات وہ مقدس ذات ہے جو جمع صفات حمیدہ اور جامع خصال پسندیدہ
 ہے کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو امیر المومنین میں انتہائی درجہ پر نہ
 پائی جاتی ہو۔ سخاوت ایسی کہ اگر دشمن نے عین جنگ میں تلوار مانگی
 تو دے دی، اور اگر راہ خدا میں سر طلب کیا، تو آپ گھوڑے سے

کو دپڑے، اور سر جھکا کر بیٹھ گئے کہ اگر تو علی کا سر راہ خدا میں چاہتا ہے
 تو لے، یہ سہ بھی حاضر ہے۔ یہی سخاوت امیر المومنین حسین مظلوم کو میراث
 میں ملی تھی۔ اگر امیر المومنین نے اپنے قاتل کو وقت شہادت دیا، ایسا ہی شیر
 عنایت کیا جیسا خود نوش فرمایا تھا، تو حسین نے بھی اُسی ذرات کو جو ماں کے
 ہر میں تھی، خود تین دن پیاسے رہے، مگر دشمنوں کے لیے اُسی ذرات کو وقف
 کر دیا۔ اگر امیر المومنین دشمن کو سر دینے پر تیار ہو گئے، تو حسین نے اپنے
 سر کے ساتھ اور بیشتر سر شہدار کے حوالے کر دیے، قاعدہ ہے کہ جو
 اوصاف جس شخص میں ہوتے ہیں۔ وہ مرتے دم تک باقی رہتے ہیں مگر
 حسین میں صفت سخاوت ایسی صفت تھی کہ جو مرنے کے بعد بھی بخدا ہوئی
 اور اب تک آپ کی سخاوت جاری ہے اور جسے جس بات کا مستحق
 سمجھتے ہیں دریغ نہیں کرتے، ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے چنانچہ
 ۱۱۷ھ کا واقعہ ہے کہ بصرہ سے تجارت کا ایک قافلہ بغداد ہوتا ہوا موصل
 کی طرف جا رہا تھا، اس قافلے کا قافلہ سالار ایک متعصب نصرانی تھا
 جو اپنی دولتمندی کے سبب سے ہمیشہ سالار قافلہ ہوا کرتا تھا اور تجارت
 بصرہ اس کا نہایت احترام کیا کرتے تھے مختصر یہ کہ یہ چلتا کارواں
 جاتی ہوئی دنیا کی تصویر زمین کے نشیب و فراز عالم ایجاد کی افتادوں
 کا عالم دکھا رہا ہے۔ شام غربت کی تاریکی منزلِ قبر، کی یادگار مسافرت
 کی کڑی مڑھوپ، بہنم کا نمونہ، قدرتی پرفضا درختوں کے چھنڈ اور آبشاروں
 کی کیفیت جنت و کوثر کا نقشہ، یہ سفر کیولے ان تمام مناظر پر نظر کرتے

ہوئے منزل مقصود کی طرف رواں تھے۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا اور جس جنگل میں یہ موجود تھے، اُس کو ٹھہرنے کے قابل نہ پایا۔ اس لیے کہ پانی کے چھٹے دُور دور تک نہ تھے، اہل قافلہ کی رائے سے یہ قافلہ رات کو بھی اسی طرح چلتا رہا۔ یہاں تک کہ نصف شب یا کچھ پہر کو رات نہ بھول کر ایک نامور میدان میں نکل آئے۔ اُس وقت ہوا تیزی سے چل رہی تھی اور درختوں کی پتیاں جب ملتی تھیں۔ ایک وحشت خیز سیل آ جاتی تھی۔ تاریکی کی کوئی حد نہیں تھی۔ آسمان پر مانتاب موجود نہ تھا مسافروں کی آنکھیں روشنی مانگیں تو کس سے تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی انسانوں کی مدد کو آسمان سے زمین پر آنا چاہتی تھی مگر جنگل کی کثیر سیاسی راہ نہ دیتی تھی دُور دور کے درخت جبل اسود کے سر بلند درے معلوم ہوتے تھے۔ اہل قافلہ کو ان قیامت خیز منظروں کے دیکھنے سے فرصت نہ ملی تھی کہ عرب کے مشہور قزاقوں نے آکر گھیر لیا، سوداگروں کے قافلے میں جان فروشی کا بازار گرم ہو کر ایسا سرد ہوا کہ پھر کسی میں سانس لینے کا دم نہ رہا۔ مگر یہ نصرانی تمام مال و اسباب چھوڑ کر درختوں کی جھاڑیوں میں چھپتا ہوا ایک قریہ میں آ نکلا۔ یہاں کا شیخ مسلمان ہے اس نے اُسے مہمان کیا اور بغداد اُگو مو الضیف و لوکان کا فرما کوئی دقیقہ مماندا رہی میں فرو گذاشت نہ کیا۔ اتفاقاً یہ تاریخیں ماہ ذالحجہ کی تھیں جب پندھویں تاریخ آئی، تو شیخ قریہ نے کہا کہ اے سوداگر ہم مسلمانوں میں ۸ ذالحجہ کو ایک عید ہوتی ہے جس کا نام غدیر ہے۔ یہاں سے دُورات سفر کرنے

کے بعد نجف اشرف کا سودا نظر آتا ہے۔ ہم لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اس مخصوصی میں ضرور بالضرور اپنے مولا و آقا امیر المومنین کی زیارت کو جاتے ہیں۔ لہذا تم یہیں ٹھہرو، جو لوگ قریہ میں رہ جائیں گے وہ تمھاری تواضع کرتے رہیں گے۔ نصرانی نے کہا اے میرے میزبان مجھ سے یہ مرکز نہ ہوگا کہ تم لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر تنہائی کی زحمت گوارا کروں۔ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ مختصر یہ کہ نصرانی ان با اعتقاد شیعوں کے ساتھ نجف پہنچا۔ یہاں آکر یہ لوگ شریک مخصوصی ہوئے، پھر اب جب غلام آقلہ کے پاس آگئے تو کیونکر دل چاہے کہ فوراً واپس ہو جائیں۔ چند روز قیام پذیر ہوئے، یہاں تک کہ زمانہ محرم سر پہ گیا، اور انتیس ذالحجہ کا چاند نشتر عم بن کر آسمان پر چمکا۔ سب اہل قریہ روضۂ اقدس امیر المومنین میں آئے، اور زیارت آخر پڑھ کر رخصت لی اور کربلا روانہ ہوئے۔ یہاں آکر دیکھا کہ آشمارِ محزن و غم نمایاں تھے۔ سیاہ نشان میناروں پر بلند گنبد پر پوشش سیاہ نظر آئی۔ تمام اہل قریہ اُس روز ماتم داری میں مصروف ہوئے۔ یہاں مجلس میں جلتے تھے نصرانی کی حفاظت میں اپنا اسباب دے جاتے تھے، یہاں تک کہ شب قتل نمودار ہوئی، اور اہل عجم کے غول ولے و احسین کشتہ شد کی صدائیں لگاتے، اہل عرب و احسیناہ و اعلیاء و اعباسا ساد محمدیہ و اماماہ کہتے ہوئے ترکوں کے چھوٹے چھوٹے بچے گلے میں سیاہ کفنیاں پہنے ہوئے ہاتھوں میں خالی کوزے لیے ہوئے عمو جان العطش عمو جان العطش کہتے ہوئے

نکلنے لگے، شیخ قریہ نے نصرانی سے کہا سنو، آج کی رات ہم بالائے حسینؑ
مظلوم بسر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ لاش کو اکیلا نہیں چھوڑتے
مگر ہمارے آقا کی لاش تین تین دن تک بے غسل و کفن جلتی زمین پر پڑی رہی
اب ہم ہر سال یہ رات حسینؑ کے روضے میں جاگ کر اس لات کو یاد کرتے
ہیں جس میں حسینؑ کی لاش سے دُور ایک جلی ہوئی قنات کی آڑ میں حسینؑ
کے حرم اپنے پچھڑے ہوئے بچوں کا نام لے لے کر پکار رہے تھے۔ لہذا
تم آج شب کو ہمارا انتظار نہ کرنا، اور ہمارے مال کی حفاظت کرتے
رہنا۔ نصرانی نے کہا یہ مجھے ہرگز گوارہ نہیں ہے، میں بھی روضہ میں چلوں
گا۔ اور تم سے الگ بیٹھا دیکھتا رہوں گا کہ کیا ہوتا ہے اُن لوگوں نے مظلوم
کر لیا اور سب کے سب روضہ امامؑ میں داخل ہوئے اور نصف شب
تک برابر مجلسوں میں شریک ہوتے رہے، بعد نصف شب جب مجمع متفرق
ہو گیا، اہل قریہ اُس نصرانی کے پاس آئے اور کہا اے بھائی تمام دوست
حسینؑ کی زیارت کر چکے، اب ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ حسینؑ کے قوت
بازو ابو الفضل العباسؑ کی زیارت کر آئیں نصرانی ہٹھارہا، اور یہ لوگ
چلے گئے۔ یہاں نصرانی کیوں نہ ہٹھرتا، اسے تو حسینؑ کی سخاوت دیکھنا تھی
اس غیر مذہب کو زائروں کی فہرست میں درج ہونا تھا۔ حسینؑ نے دنیا کو
کیا کچھ نہ دیا۔ پھر اب اس غریب کو کیوں نہ عطا کریں۔ اس لیے کہ زیارت کر
کے زائر ہو چکا۔ اب مستحق عنایت بھی ہے جیئن آج نصرانی کو اپنی سخاوت
دکھاتے ہیں، اور جس چیز کا مستحق خیال کرتے ہیں وہی دیتے ہیں الغرض

ادھر یہ لوگ روانہ ہوئے۔ ادھر روضہ میں سناٹا بڑھنے لگا۔ رعب و داب
ضریح سے نصرانی خاموش بیٹھا ہے، تمام چراغ جل رہے ہیں۔ لیکن لوگو
حرکت نہیں، درو دیوار چپ کھڑے ہیں، ہوا بھی قبہ میں اس لیے
نہیں بھرتی کہ شاید کوئی صدا پیدا ہو۔ قبر مطہر کا رعب پکار پکار کر
آوازیں دے رہا ہے۔ بے ادب پامنہ اینجا کہ عجب درگاہ است
یعنی اے آنے والو قدم آہستہ آہستہ رکھو، دیکھو پاؤں کی چاپ نہ آنے پائے
فاطمہؑ کا نور عین، جگر گوشہ رسولؐ، امام حسینؑ شب عاشور کے جاگے
ہوئے آرام کر رہے ہیں، خبردار آرام میں فرق نہ آنے پائے۔ نصرانی گھبرا
گھبرا کر چاروں طرف دیکھ رہا ہے کہ دفعتاً چراغوں کے شعلے ایک ساتھ
بھڑکے، روشنی تیز ہوئی، درو دیوار پر نور چھا گیا، ضریح کا دروازہ کھلا
اور حسینؑ زرد عمامہ باندھے ہوئے برآمد ہوئے۔ ادھر آپ باہر تشریف
لائے، اُس طرف دو سفید پوش ضریح کے پہلوؤں سے دستِ ادب
باندھے ہوئے حاضر ہوئے، اور عرض کی، مولایہ آپ کے زائروں کی
فہرست تیار ہو گئی اسے غریبوں کے والی یہ آپ کے ان زائروں کی فرو
حساب ہے جنہوں نے آج کی رات آپ کی ضریح کی زیارت کی ہے
آپ نے ابتدا سے ملاحظہ فرما کر کہا کہ یہ فرد ناقص ہے، یہ سُندا تھا کہ
ملائکہ کے جسم میں رعب پڑ گیا۔ تھر تھرتی ہوئی آواز سے عرض کیا غلاموں نے
اپنی دانست میں کسی کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ جس شخص نے دُور ہی
سے اَسْلَامُ عَلَیْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ کہہ لیا تھا۔ اس کا نام بھی لکھ لیا ہے

دیں گے، بیٹا اب چاہنے والے باپ اور چچا موجود نہیں، جو اگر چاہیں
ارے یہ کون بی بی ہیں۔ کیا یہ حسین کی ماں ہیں۔ کسی نے کہا اے نصرانی اپنی
آنکھیں بند کر لے، یہ بی بی فاطمہ تو نہیں۔ مگر ثانی زہرا حسین کی چاہنے والی
ہیں زینب میں نصرانی نے پوچھا اے مسلمانو! یہ ان بی بی پر کیا بن گئی،
ارے یہ اس مصیبت میں کیوں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ حسین کے محض شہادت
میں ایک یہ بھی شرط تھی، کہ بھائی کا سر نیزے پر بلند ہو، اور بہن کے سر پر
سے چادر اتار لی جائے، حسین وہ سختی و صابر ہیں کہ بخشش امت کے
لیے یہ بھی منظور کر لیا، کہ میرا سر ہم ہوا زینب بے ردا ہو۔ مگر نانا کی امت جہنم سے رہا
ہو جائے۔

چھٹی مجلس

فضائل امیر المومنین در ربط مصائب امام حسین علیہ السلام
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ زَيْنُوًا مَحَالِسُكُمْ بِذِكْرِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي
طَالِبٍ لَا تَذْكُرُوا ذِكْرِي وَذِكْرِي ذِكْرُ اللَّهِ وَذِكْرُ اللَّهِ عِبَادَةُ
يَهُ وَهُ هَدِيَّةٌ هِيَ حَسْرَةُ كَوَافِرَاتٍ بَارِهَاتٍ كَرْتِينَ - مجھے ضرورت
نہیں معلوم ہوتی کہ میں ترجمہ کروں، ہاں مگر حکم رسول خدا کو پورا کرنا چاہتا ہوں
لیکن طول مجلس کا خیال کرتے ہوئے کل فضیلتوں کا ذکر چھوڑ کر صرف ایک شعر
ملا کا شاعر علیہ الرحمہ کا پڑھتا ہوں، جس میں انھوں نے سلام کیلئے اور سلام بھی
ایک خاص قسم کا ہے۔ ملا کا شاعر نے یہ شعر کس وقت کہا ہے جس وقت بے نور آنکھوں کو

اب جو باقی رہ گیا ہو اس کا علم خدا اور آل محمد کو ہوگا۔ آپ نصرانی کی طرف
بڑھے، اور فرمایا کہ اس کا نام کیوں نہیں لکھا۔ ملا نے عرض کی مولا یہ تو
کافر ہے جنت والوں میں اس کا نام کیوں لکھا جاتا۔ فرمایا ہاں یہ سچ ہے
مگر یہ حسین سے غریب کا گھر ہے، یہاں اگر کوئی محروم نہیں جاتا۔ اس کا نام
بھی درج فہرست کر لو اس کے جنتی ہونے میں تھوڑا ہی عرصہ باقی ہے۔
جب یہ کربلا کی ہماری حالت دیکھ لے گا، تو خود ایمان لے آئے گا یہ فرما کر
داخل صریح ہو گئے۔ ادھر صدر دروازہ زور سے کھلا اور نور محمد و ماتم کی
آوازیں صریح سے بلند ہوئیں نصرانی نے دیکھا، کہ آگے آگے ایک گھوڑا سر سے
لے کر پاؤں تک زخم نیزہ و شمشیر سے چھدا ہوا، زخموں سے خون بہتا ہوا، زین
ڈھلا ہوا، باگیں کٹی ہوئی، ماتھے پر سوار کا خون ملا ہوا نمودار ہوا، پیچھے پیچھے
ایک بیچارہ و علیل ایک ایک قدم پر لٹکھڑکتا ہوا، گردن میں طوق، پاؤں میں
بڑیاں، کمر میں لنگر، گلاباتھوں سے تھامے ہوئے کتا جاتا ہے۔ اَقْدَادُ
ذِيْلَادِي دِمَشْقِي كَانَتِي مِنَ الزَّيْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيْرُ
اس کے بعد کچھ شتران بے عماری و کجاوہ پر کچھ عورتیں گود میں بچے لیے ہوئے
سر کے بال کھلے، منہ پر طانچے مارتی ہوئی پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں، واہ
اے شام والو! واہ اے مسلمانو! ہم اہلبیت رسول کی تم نے خوب قدر
کی نصرانی نے جو یہ عالم دیکھا، اپنا سر ستون پر دے مارا کسی سے پوچھا کیوں
بھائی یہ بی بی جن کا سر شگافہ ہے، وہ جو گود میں ایک ننھی سی بچی کو لیے
ہوئے ہیں اور سمجھا رہی ہیں کہ بی بی اب نہ روؤ۔ دیکھو فوج والے گھر کیاں

تمثیل دی ہے جو خاص اس موقع کے لیے تھی، اگر داد و دیں سے مراد مذہب
 ملت ہے تو ظاہر ہے کہ شیعوں کی آنکھیں اس آفتاب کے بارہویں
 نور سے یوں لڑی ہوئی ہیں جیسے دنیا والوں کی آنکھیں زمستان کے نکلنے
 ہوئے سورج سے، اور اگر داد و دیں سے مراد عدالت ہے تو ہم ایسے شخص کو
 آفتاب عدالت کیونکر کہیں جس نے خیر کی سہی جنگ اور مرحب سے
 پہلوان کی بیعت کچھ نہ سمجھی سکے عدالت جاری کیا، خیر کے در کو کھڑے کر کے
 یوں تقسیم کیا کہ ہر کھڑا وزن میں برابر نکلا۔ عدالت امیر المومنین کی نسبت بہت
 روایات ہیں۔ مگر چند جملوں میں صرف ایک حالت عرض کرتا ہوں تا کہ
 آپ کے دیدہ دل متور ہو جائیں۔ منقول ہے کہ دو شخص ہمسفر تھے،
 ایک منزل پر بیٹھ کر دونوں نے کھانا کھانا چاہا۔ ناگاہ ایک شخص اور وارد ہوا
 اور وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہوا۔ جس وقت کھانا کھانے سے فراغت
 ہوئی۔ نووارد شخص نے آٹھ درہم دیئے۔ اب دونوں میں نزاع واقع ہوئی
 شخص اول کو جس کی تین روٹیاں تھیں، تین درہم دیتا تھا اور وہ نصف کا
 طالب تھا یعنی چار درہم مانگتا تھا، جب آپس میں یہ نزاع نہ طے ہو سکی،
 آئے خدمت آفتاب عدالت میں اور سب حال عرض کیا، امیر المومنین نے
 شخص اول سے ارشاد فرمایا، کہ اسے شخص تو تین درہم لے لے تیرا نقصان
 نہیں ہے اور شخص خوشی سے دیتا ہے، مگر یہاں ہوس کے پردے
 ایسے پڑے تھے کہ نہ اٹھنا تھے نہ اٹھے، عرض کی اے مولانا آقا جواز مروے
 عدالت ہو وہ عنایت کرادے مجھے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سن، آٹھ

تصویر خیالی کے نور پر نور کر لیا ہے اور نہایت والہانہ انداز میں کہہ رہے ہیں
 السلام اے سایات خورشید رب العالمین آسمان عز و تمکین آفتاب داد و دیں
 حاصل اس شعر کا یہ ہے کہ اسے خورشید زمانہ اور اے آسمان حرمت و مرتبہ اور
 اے آفتاب مذہب و ملت میرا سلام تجھ پر ہو، اس شعر کی وقعت اس کے ظاہری
 معنوں سے کچھ زیادہ نہیں بڑھتی، ہاں ذرا غور سے لفظ کو دیکھئے دیکھئے مسلک
 کرنے والے کا خطاب کہہ رہے، وہ خطاب آفتاب زمانہ سے ہے کون آفتاب
 دنیا کو روشن کرنے والا، معدنوں کے خزانے کا خازن، جواہرات کو دیکھ کر چھوڑ
 جانے والا، غلے کا آژودہ کا منتظم۔ اتنی صفعتوں کا موصوف کیا ہے ایک
 بلکہ سایہ تو ہے جو چہرہ امیر المومنین کا پڑ گیا ہے بصرہ عثمانی میں آسمان عزت
 و تمکین کا فقرہ ایسا بسیط لفظ ہے جو مضامین کی دنیا کو آغوش میں لیے ہوئے
 ہے۔ آسمان کا وہ متحرک کرہ جس کے دور سے گردش زمانہ والسنہ جس کے کشاوت
 دامن میں چاند و سورج سے ہزاروں چمکتے ہوئے ستارے راحت سے بسر
 کرتے ہیں۔ اس کرہ سے ہمارا مخاطب بزرگ تر ہے کیونکہ جس قدر آسمانوں
 کے کل طبقوں کی بلندی ہے وہ صرف اس مخاطب کی عزت و مرتبہ کا عروج
 ہے اور کیوں نہ ہو، یہی تو وہ آسمان ہے جو عرش خدا کے رہنے والوں کے
 سر پر سایہ فگن ہے کبھی بقیعہ نور ہو کر سر عرش رہا، کبھی پشت رسول پر منبر
 نبوت پر اپنا علس ڈالا، کبھی کعبہ میں دوش نبی پر پاؤں رکھ کر دکھا
 دیا کہ دیکھو! ہم وہ آسمان عزت ہیں جو عرش کے رہنے والوں پر سایہ فگن ہیں۔
 اب آفتاب داد و دیں کے لفظ کو دیکھئے کہ ملا کا شئی نے ایسی جھستی ہوئی

مگر وہ وقت نہ آیا، کہ بابا اہم سے ملے، ہاں بعد شہادت حسین جب علم اہم
میری طرف منتقل ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس شخص کی آئندہ نسل میں ایک
شیعہ ہونے والا تھا، بھلا حسین سے کیونکر ہو سکتا، کہ اپنے رونے والے کے
باپ کو قتل کرتے، یہ اور ہی لوگوں کا دل تھا جنہوں نے حسینؑ کے احسان
کو جلد سے جلد بھلا دیا۔ انصاف کی جگہ ہے کہ حسینؑ تو شمر کو قید سے آزاد
کرائیں، اور آپ سرد سے سیراب کر کے کہیں کہ اے شمر دیکھ میرا احسان
بھلا دینا، اور وہی شمر حسینؑ کو ذبح کرے، اور آواز دے کہ اے شمر
میں پیاسا ہوں۔ مانا حسینؑ سے بغض تھا۔ مگر چھ مہینے کے بچے سے کیا
عداوت تھی۔ امام ہاتھوں پر لیے پانی طلب کر رہے تھے اور سارا لشکر سن
رہا تھا اور کسی نے اگر جواب دیا بھی تو کیونکر، مڑھا اور تیر حلقہ لکمان
میں جوڑا، ادھر حسینؑ کی نظر پڑ گئی، باپ کا دل ہے جلدی سے اپنے بچے
کو سینہ سے لپٹا لیا۔ مگر نشانے نے خطانہ کی، اور علی اصغرؑ ہونٹوں پر
زبان پھیرتے۔ باپ کے ہاتھوں پر جنت سدا رہے۔

افسانہ کہ کس نتواند شیدائش یارب برا بیثیت چہ آمد ز دیش
ہائے کیا بغض تھا حسینؑ سے، کہ مرنے پر بھی ان کے بچوں کے لیے باقی رہا۔
جس وقت یہ لٹا ہوا قافلہ منزل محض پر پہنچا ہے اور اہل لشکر پر پیاس
غالب ہوئی، اور ایسی پیاس کہ قریب تھا۔ جانیں بدن سے نکل جاتیں
ہائے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کو تین دن کی پیاس کے بعد بھی سیر
ہو کر پانی پینے کو نہ ملا۔ الغرض بہت تلاش و جستجو کے بعد پانی ملا اور شمر نے

روٹی میں تین آدمی شریک ہوئے۔ لہذا ایک روٹی کے تین ٹکڑے کے حساب سے
آٹھ روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے ہوئے چوبیس کو تین پر تقسیم کرو تو آٹھ آٹھ
ہوتے ہیں۔ لہذا ہر شخص کے حصے میں آٹھ ٹکڑے آئے، تیرہ تین روٹیاں
تھیں جس کے نو ٹکڑے ہوئے، آٹھ ٹکڑے کھائے، اور ایک اس شخص
ثالث کا حصہ ہوا، اور اس شخص کی پانچ روٹیاں کے پندرہ ٹکڑے
ہوئے، آٹھ اس نے کھائے اور سات اس شخص کا حصہ ہوا، اور شخص
ثالث نے آٹھ درہم دیئے، ہر روٹی کی قیمت ایک درہم ہوئی۔ لہذا
ایک درہم تولے اور سات اپنے شخص کو دے۔

یہی عدالت تو تھی جو راشیہ حسینؑ غریب کے حصے میں آئی تھی کیا
کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب دشمنوں کے بھرے ہوئے مجمع میں حضورؐ دیکھو
تنہا رہ گئے، بازو کا تھا منہ والا دریا کے کنارے سویا، آنکھوں کے نور کو
جنگل میں کھویا، کچھ گنتی کے غول کے قطرے دل میں رہ گئے تھے، وہ
بے شیر کی تربت پر آنکھوں سے بہاتے، اب گھوڑے پر بیٹھے ہوئے
جنوم رہے ہیں، ریگستانی میدان کی گرمی، زخموں کی سوزش، عزیزوں
کی لاشوں پر نظر، غیموں کے ٹٹنے کا ڈرائیز پر تکیہ کئے کھڑے ہیں، ہاتھ
میں تلوار ہے، اور تو سکتے نہیں، مگر قریب آنے والا زندہ بھی نہیں پلٹتا۔
امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ میں نے درخیمہ سے دیکھا کہ ایک
شخص نے قریب آکر حسینؑ پر حملہ کیا، اگرچہ وہ زہر پہنچا تھا، مگر بابائے
منہ پھیر دیا، مجھے خیال ہوا کہ جب بابا پلٹیں گے تو میں دریافت کروں گا

قیامت پر ایمان لایا، اور جس نے راہ خدا میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک تو یہ سب برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کی رہبری نہیں کرتا۔ جو لوگ خدا پر ایمان لائے، اور راہ خدا میں ہجرت کی، اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک درجہ میں سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی کامیاب، ہونے والے ہیں۔

شانِ نزول اس آیہ مبارکہ کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ اور حضرت عباسؓ اور طلحہ بن شیبہ ایک مقام پر بیٹھے تھے، اثنائے کلام میں طلحہ نے غزہ کی حیثیت سے کہا کہ میں خدا کے گھر کا دربان ہوں، اور اس کی کنجی میرے پاس ہے حضرت عباسؓ نے کہا کہ زفرم میرے حوالے سے حاجیوں کو میں ہی پانی پلاتا ہوں، یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا خدا جانتا تم لوگ کیا کہہ رہے ہو، یہ غزہ تو مجھ کو چاہیے، کہ میں نے سب کے ایمان لانے سے کچھ نہیں پہلے رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھی، اور میں وہ ہوں کہ میری ہی تلوار کے ڈر سے تم نے اسلام اختیار کیا۔ میں نے راہ خدا میں جہاد کیا بحث کو طول نہ ہوا، یہ بات طے پائی کہ رسولؐ اس کا فیصلہ کر دیں۔ آئے یہ سب حضرت، رسالت، مآب کی خدمت میں، قضیہ پیش کیا گیا، قبل اس کے کہ کوئی بات کہیں، رسولؐ پر جبریلؑ ابن نازل ہوئے اور کہا خدا بعد تحفہ درود و سلام کے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ ان سے کہہ دیں، کہ بھلا حاجیوں کو پانی پلانا، بیٹ اللہ کی درباری، خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتی ہے یعنی خداوندِ عالم نے علیؓ کے قول کی تصدیق کی۔ دکھا

تقسیم کرنا شروع کیا، تو سیکینہ سے صبر نہ ہو سکا، آپس خدمت جناب زینبؓ میں اور عرض کی اسے چھو بھی جان اگر کیسے تو میں بھی شمر سے پانی مانگوں ہاں آپ عمارؓ اور ابی حنیفہؓ کیا آپ شمرؓ کا جواب سن سکیں گے شمرؓ نے مشک کا دہانہ کھولا، اب سیکینہ کو اور بھی پانی ملنے کا یقین ہو گیا، خالی کوزہ بڑھایا۔ مگر شمرؓ نے سیکینہ کے سامنے وہ پانی زمین پر بہا دیا، اور سیکینہ نے اٹھ کر دیکھ کر رہ گئیں۔

فریاد از غریبی و بے یاری حسینؓ
وازانہا تے دمدم و زاری حسینؓ

ساتویں مجلس

واقعہ شہادت اور جنگ خندق و خیمہ شہادت جناب قاسمؓ
قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَجْعَلْتُكُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ
وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ هَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَلَبُوا وَ
جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَرَجَاءِ
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

معنی: اے نبیؐ! یہ ہیں کہ تم نے مجاہدوں کو پانی مانگا، اس شخص کے برابر کر دیا جو خدا اور روز

دیا وہ رتبہ کہ جو خدا کے نزدیک علیؑ کا تھا، اور کیونکر خدا اُن کی یہ قدر نہ کرتا اس واسطے کہ خدا بہادروں کو دوست رکھتا ہے، پھر ان سے بڑھ کر کون بہادر تھا جس کو خدا دوست رکھتا۔ پہلا اہم موقع جو جناب امیرؑ کو شجاعت دکھلانے کا تھا، وہ ہجرت رسولؐ کی رات تھی جس وقت جبریلؑ نازل ہوئے اور عرض کی کہ اے رسولؐ خداوند عالم فرماتا ہے کہ آپؐ کا مکہ میں رہنا مناسب نہیں ہے، آپؐ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائیں۔ اس وقت جناب رسالتؐ تاب متوجہ ہوئے۔ امیر المؤمنینؑ کی جانب، اور کہا یا علیؑ! مجھ کو ہجرت کا حکم ہوا ہے تم میری سبز چادر اور ٹھکر میرے تمام پر سوار ہو۔ حضرتؑ نے قول رسولؐ کو قبول کیا، چادر اور ٹھکر لی، سو رہے اطمینان سے، حالانکہ کس قدر خوفناک تھا وہ وقت، جب مکان کنار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے، مگر یہ آپؐ ہی کی شجاعت تھی۔ بڑے بڑے بہادر ایسے ثباتِ قلب کے وقت امتحان میں ناکامیاب رہے ہیں، چنانچہ جس وقت خدا کے حکم کی تعمیل میں حضرتؑ موسیٰؑ نے اپنے عصا کو پھینک دیا، اور وہ اڑ دہا بن گیا تو آپؐ فوراً پلٹ پڑے اُس کی طرف سے، اور جس وقت خدا کا حکم ہوا کہ اے موسیٰؑ بڑھو اس عصا کی طرف، اور اس کو اٹھا لو، ہم اس کو پھر اصلی صورت کی طرف پھیر دیں گے تو چونکہ حضرتؑ موسیٰؑ قول خدا سے انحراف نہیں کر سکتے تھے، اس وجہ سے بڑھے تو، مگر اپنی عبادا من ہاتھ میں لیٹ لیا۔ ایک ملک کہنے لگا کہ کیوں اے موسیٰؑ اگر تھکے خدا کا حکم اس عصا کو یہی ہوتا کہ یہ

تم کو اذیت دے، تو کیا تمھاری چادر تم کو بچا لیتی حضرتؑ موسیٰؑ نے کہا کہ نہیں مگر میں کیا کروں کہ میری ہمت نہیں پڑتی، مگر علیؑ جس وقت اٹھے صبح کو، اور کفار نے دیکھا کہ ہماری سب تدبیریں بے کار ہوئیں، تو آپؐ سے دریافت کیا کہ تمھارے ساتھی کہاں ہیں حضرتؑ نے فرمایا کیا تم نے میری سپردگی میں دے دیا تھا۔ اسی طرح بروز جنگ خندق بھی وہ بہادری آپؐ سے ظاہر ہوئی ہے، کہ جس سے دشمن تک آپؐ کی تعریف کرتے تھے چنانچہ جس وقت عمرؓ ابن عبد و خندق پھانڈ کر لشکر اسلام کے سامنے آیا اور **هَلْ مُبَايَعُ** کی آواز بلند کی۔ اُس وقت رسولؐ متوجہ ہوئے۔ اپنے اصحاب کی جانب، اور فرمایا کہ کون اس سے مقابلہ کرے گا۔ سب چپ ہو گئے۔ مگر علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ! اِنَّا اُبَايَعُكَ میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ جناب رسالتؐ تاب نے فرمایا کہ یا علیؑ! ٹھہرو حضرتؑ ساکت ہو گئے۔ دوبارہ رسولؐ نے فرمایا کہ اتنے بڑے لشکر میں کوئی ہے، جو اس کا مقابلہ کرے امیر المؤمنینؑ نے کہا یا رسول اللہؐ! مجھ کو اجازت ہو حضرتؑ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اے علیؑ! پھر عمروؓ نے اپنا مقابل طلب کیا۔ رسولؐ نے لشکریوں کی طرف متوجہ ہو کے کہا کہ تم لوگوں میں کون اس کے مقابلے کو نکلے گا جناب امیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ میں حاضر ہوں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا، یا علیؑ یہ عمروؓ ابن عبد و دے بھرت نے جواب دیا کہ اگر وہ عمروؓ ہے تو میں ابن ابی طالبؑ آپؐ کے اقبال سے فتح

الَّتِي آتَتْهُ عَدَاؤُهُ جَلًّا كَرَامًا عَزِيزًا فَزَارَ مَا يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ
وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ يَعْنِي فِي كُلِّ أَيْشَةٍ شَخْصٍ كَوَلِّمَ دُولًا، جَوَابًا
بَارِحًا كَرَمًا - اُس کے قدم کبھی میدان سے نہیں ہٹے۔ وہ خدا اور رسول
کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں بعض لوگ
کہتے ہیں کہ ہم کو کسی شب ایسی بچینی نہیں ہوئی جیسی اُس دن تھی، کہ
دیکھیں یہ فخر کس کو حاصل ہوتا ہے جب صبح ہوئی حضرت نے فرمایا
کہاں میں میرے ابن عم علی ابن ابی طالب۔ لوگوں نے عمر بن الخطاب کی یا رسول اللہ
اُن کو تو آشوب چشم ہے حضرت نے سلمانؓ سے فرمایا کہ جاؤ اور علیؓ کو
لے آؤ۔ سلمانؓ گئے اور علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور رسول اللہ کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے دریافت کیا اے علیؓ کیسے ہو، آپ
نے فرمایا کہ خدا کی عنایت سے اچھا ہوں۔ صرف آپ کی زیارت
سے محروم ہوں۔ حضرت نے اپنا لعابِ دہن جنابِ امیرؓ کی آنکھوں میں
لگایا، فوراً آنکھیں روشن و متور ہو گئیں۔ اُس وقت جنابِ رسالت
نے وہ علم آپ کو دیا اور فرمایا کہ یہ علم لو۔ اور جاؤ راہِ خدا میں
جہاد کرو۔ آپ روانہ ہوئے۔ راستے میں خیال آیا کہ یہ میں نے نہیں
دریافت کیا کہ کس وقت تک جنگ کروں علیؓ جب جہاد کے لیے میدان
کی جانب روانہ ہوتے تھے تو پھر قدم بڑھ کر پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اس
لیے گھوڑے کی باگ روک لی۔ مگر پلٹ کر نہیں آئے وہیں سے پکار کر
پوچھا کہ یا رسول اللہ کب تک جنگ کروں حضرت نے جواب میں فرمایا

حاصل کروں گا۔ رسول اللہ نے اجازت دی۔ امیر المؤمنینؓ اس کے مقابلہ
پر آئے۔ فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک
ضروری مان لیتا ہے، اُس نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا کہ اچھا کہہ دلا اِلَہ
اِلَّا اَللّٰہُ، اُس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا حضرت نے کہا اچھا تو واپس چلا جا
ہم قریش سے سمجھ لیں گے۔ اُس نے کہا مجھ کو غیبت آتی ہے کہ لوگ مجھ کو کیا
کہیں گے حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں پیدل ہوں تو بھی گھوڑے سے
اُتر آؤ۔ اُس وقت عمرؓ نے کہا کہ اے ابن عم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا
تم پلٹ جاؤ، اور کسی کو میرے مقابلے کے لیے بھیجو۔ حضرت
نے فرمایا۔ مگر مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں تجھ کو قتل کروں۔ اُس
وقت عمرؓ کو غصہ آگیا، اور گھوڑے پر سے کود پڑا۔ حضرت
نے تھوڑی دیر میں اُس کو قتل کیا، فتح و نصرت کے ساتھ واپس
آئے۔ جنابِ رسول اللہ نے فرمایا بِمَضُوءِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ
أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ، یعنی علیؓ کی ایک ضربت خندق
کے دن عبادت جن و انس سے افضل ہے۔

اسی طرح جس وقت یہودی خیبر کی جنگ میں قلعہ ثوس میں
پناہ گزین ہوئے۔ اُس وقت حضرت نے اپنا علم خلیفہ اولؓ کو دیا، اور
لشکر کے ساتھ جانبِ قلعہ روانہ کیا، مگر وہ ناکام واپس آئے۔ دوسرے
دن دوسرے صاحبِ تشریف لے گئے۔ وہ کچھ اول سے بھی ناکام واپس
کر کے تشریف لائے۔ اب پیغمبرؐ خدا نے فرمایا لَا عَظَمِيْنَ

کہے رہے جناب امیر المؤمنینؑ نے لڑائی فتح کی، مال غنیمت مع امیروں کے جن میں صفیہ بھی تھیں۔ بلالؓ کے ہمراہ رسالت مآبؐ کی خدمت میں روانہ کیا جس وقت یہ لوگ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے حضرت کی نظر صفیہ پر پڑ گئی، دیکھا کہ اُس کا چہرہ متغیر ہے حضرت نے پوچھا اے صفیہ تیری کیا حالت ہے۔ اُس نے کہا یا رسول اللہؐ بلالؓ مجھ کو قتل کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ جہاں میرے عزیزوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں حضرت کو یہ سن کر غیظ آگیا، فرمایا اے بلالؓ تو کتنا سخت دل ہے کوئی عورتوں کو قتل سے لے جاتا ہے۔ اُس وقت صفیہ کو کچھ تسکین ہوئی ہوگی، مگر اہلبیت رسولؐ کو کون تسلی دے، وہ قتل جس میں بہتر لاشے پڑے ہوں اور پھر یہاں مرحب کا جسم عریاں نہ تھا، اور وہاں کربلا میں وہ کپڑے اتار لیے گئے جو حضرت نے جا بجا سے چاک کر دیے تھے تاکہ اُن کو کوئی بھی نہ پوچھے۔ اُجھوٹے دم بکھڑ آپ روتے ہیں اُس غریب پر کہ جس کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ آج محرم کی ساتویں تاریخ ہو گئی ہے۔ حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے خالی کوزے ہاتھوں میں لیے العطش العطش کی آوازیں بلند کر رہے ہیں۔

ذاکریں نے یہ بھول کیا ہے کہ آج حضرت قاسمؑ کا حال پڑھتے ہیں۔ لہذا میں بھی اُن کا اتباع کرتا ہوں، کو شیعوں کیسے کے اصحاب انصار شہید ہو چکے، نوبت اعزہ کی پہنچ گئی، فرزند ان عقیلؑ اپنا حق ادا کر چکے۔ زینبؑ کے دونوں شاہزادوں کی لاشیں قتل سے آچکیں

کہ جب تک یہ لوگ اسلام نہ لائیں، یا امان نہ طلب کریں۔ اُس وقت مولانا قلعے کے سامنے آئے اور علم کو سنگ خارا میں اس طرح نصب کیا کہ ایک بالشت وہ علم پتھر میں در آیا۔ قلعے کے دید بانوں نے یہ خبر جنت کو دی۔ اُس نے اُن کو پہلے آنے والوں کے مانند سمجھ کر اپنے بھائی عمارؓ سے کہا کہ جا دیکھ تو کون ہے؟ عمارؓ قلعے سے باہر آیا اور حضرتؐ سے مقابل ہوا، آپؐ نے اُس کو قتل کیا۔ جس وقت یہ خبر مرحبؓ کو ہوئی، دنیا اُس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ مثل فیل مست کے قلعے سے باہر نکلا، میدان میں آ کر پکارا۔ میرے بھائی کا قاتل کہاں ہے؟ جناب امیرؓ اُس کے مقابلے کو تشریف لائے، حضرتؐ کا قد اُس سے بہت کم تھا چند مرتبہ رد و بدل ہوئی۔ مگر جب حضرتؐ وار کرتے تھے اس پر حضرتؐ کا ہاتھ اچھی طرح نہ پہنچ سکتا تھا یہاں تک کہ حضرتؐ کو غیظ آگیا اور رکابوں کے کل کھڑے ہو کر ایک وار میں راکب و مرکب کے چار ٹکڑے کر دیے۔ جب قتل مرحبؓ سے فارغ ہوئے، اُس وقت وہی تلوار علم لے ہوئے لشکر کفارس کی طرف بڑھے۔ اثنائے جنگ میں سپر آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور ایک شخص اُس کو لے کر قلعے میں چلا گیا۔ آپؐ نے حملہ کیا مگر کفار نے دروازہ بند کر لیا حضرتؐ نے دروازے کو پکڑ کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ وہ در آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ آپؐ نے اس کو سپر کے عوض میں بائیں ہاتھ سے اٹھالیا اور جس وقت تک لڑائی فتح نہ ہوئی۔ اُس وقت تک حضرتؐ اُس دروازے کو ہاتھوں پر بلند

اب کھول کر دیکھا۔ اُس میں لکھا ہے: **يَا بَنِي اَوْصِيكَ بِرِعايَةِ اُمِّي**
الْحُسَيْنِ فِي الْكُوْبَلَا یعنی اے بیٹا! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ کربلا
 میں اپنے چچا حسینؑ پر جان قربان کرنے میں دریغ نہ کرنا۔ حضرت قاسمؑ
 خوش خوش امام حسینؑ کے پاس آئے، حضرت نے وہ تعویذ دیکھا، فرمایا اے
 بیٹا اگر تم کو بھائی کی یہ وصیت تھی کہ حسینؑ پر سے جان نثار کرنا تو مجھ کو بھی
 یہ وصیت کی تھی کہ فاطمہؑ کبریٰ کی شادی قاسمؑ کے ساتھ کر دینا، ہاتھ پکڑے
 ہوئے نیمہ میں آئے۔ کہا ہن وہ صندوق تولو جس میں بھائی حسنؑ کی
 پوشاک رکھی ہے۔ جناب زینبؑ نے وہ صندوق لا کر رکھ دیا۔ حضرت نے
 اپنے ہاتھ سے لباس فاخرہ پہنایا، اور قاسمؑ کا عقد فاطمہؑ کبریٰ کے ساتھ
 پڑھایا۔ بعد عقد جناب امام حسینؑ نے قاسمؑ سے فرمایا، بیٹا وہ یہ تمہاری
 امانت ہے۔ جناب قاسمؑ کی یہ حالت ہے کہ کبھی عروس کی طرف دیکھتے
 ہیں، کبھی گردن جھکا کے رونے لگتے ہیں کہ اسی عرصے میں آواز اُٹھل
مِنْ مِثْلِ مِثْلِ مِثْلِ مِثْلِ میدان سے بلند ہوئی۔ قاسمؑ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے
 ہوئے اور خدا حافظ کہہ کر نیمہ سے برآمد ہوئے۔ نیمہ میں کرام برپا
 ہو گیا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا بھرے گھر سے جنازہ نکل گیا ہے۔ بعض
 روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاسمؑ خود سے گھوڑے
 پر نہ چڑھ سکے بلکہ حضرت عباسؑ نے آپ کو سوار کیا۔ حضرت قاسمؑ میدان
 میں آئے، رجز پڑھنا شروع کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نہیں جانتے
 سو مجھ کو تو جان لو کہ میں سبط رسولؐ امام حسنؑ کا فرزند ہوں، یہ چچا میرے

اب حضرت قاسمؑ آگے بڑھے عرض کرتے ہیں کہ میں چچا جان ہمارا نام بھی
 محضر شہادت میں ہے۔ حضرت نے پوچھا **يَا بَنِي كَيْفَ اَمْلُوكَ عِنْدَكَ**
 کیوں جان غم تمہارے خیال میں موت کیسی ہے؟ عرض کیا حضرت قاسمؑ
 نے **يَا عَجْزَ اَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ** چچا شہد سے زیادہ شیریں۔ جب
 امتحان لے لیا تو فرمایا۔ ہاں قاسمؑ تم بھی شہید ہو گے۔ اور تمہارا چھوٹا
 بھائی علیؑ اصغرؑ بھی قتل ہوگا۔ اب تو قاسمؑ کہے میں ہو گئے، رگوں میں
 بنی ہاشم کا غول دوڑنے لگا، عرض کیا چچا یہ علیؑ اصغرؑ کیونکر شہید ہوگا
 کیا یہ اشتیاق عورتوں کے خمیوں میں چلے جائیں گے۔ فرمایا قاسمؑ کیا مجال
 کسی کی جو میری زندگی میں ایسی خبرات کرے، میں خود پانی پلانے لاول گا
 اور علیؑ اصغرؑ میرے ہی ہاتھوں پر ایک شقی کے تیر ظلم سے شہید ہوگا۔
 غرض حضرت قاسمؑ نے میدان کی اجازت طلب کی، امام حسینؑ نے
 جوش محبت سے دونوں باہیں قاسمؑ کے گھٹے میں ڈال دیں۔ جناب قاسمؑ
 بھی چچا کے سینے سے لیٹ گئے اور اس قدر روئے کہ دونوں بزرگ گواہ ہو
 ہو گئے، جس وقت ہوش آیا اُس وقت امام حسینؑ نے فرمایا۔
 اے میرے بھائی کی نشانی، تم کو مرنے کی اجازت کیونکر دوں حضرت
 قاسمؑ مایوس ہو گئے، غیمے میں جا کر بیٹھ گئے اور زانو پر سر جھکا لیا، مگر
 یاد آیا کہ امام حسنؑ نے بازو پر ایک تعویذ باندھ دیا تھا، اور فرمایا
 تھا کہ اے قاسمؑ جس وقت مجھ پر کوئی سخت وقت پڑے اس وقت
 اُسے کھول کر پڑھنا اور اس کے مضمون پڑھ کرنا۔ حضرت قاسمؑ نے اس تعویذ

فرماتے جاتے تھے، اے بیٹا مجھ پر سخت دشوار ہے کہ تم مجھ کو پکارو اور میں جواب نہ دوں۔

حضرت نے قاسمؑ کی لاش کو زمین سے اٹھایا مگر کس طرح لے چلے کہ سینہ کو سینے سے چمٹایا، اور پھر حضرت قاسمؑ کے زمین پر کھینچے جاتے تھے، قریب خیمہ کے لاکے رکھا۔ اہل حرم نے گرد لاش کے حلقہ کر لیا، اور آوازیں دیاں کسمائے و اشمکۃ فوق اذکۃ کی بلند ہوئیں۔ ہاں شیعہ! حضرت قاسمؑ کی لاش پر کچھ رونے والے تو تھے مگر حسینؑ کی لاش پر کون رونے والا تھا، ہاں تھے، مگر رونے کی ممانعت تھی چنانچہ سکینہؑ جس وقت اپنے باپ کی لاش سے لپٹی ہوئی رو رہی تھی، اس وقت شمرؑ قریب آگیا، اور وہ بے ادبی کی کہ اس بچی نے باپ کی نعش کو چھوڑ دیا، اور زمین پر پچھاڑیں کھانے لگی۔

عرفان المجالس جلد سوم

مصنف:۔۔ جناب علامہ الحاج الیہ صفدر حسین صاحب قبلہ نجفی،
اسمیں پچیس مجالس درج ہیں۔ کھائی چھپائی عمدہ۔ آفٹ طباعت رفیعہ کاغذ بہت مناسب
ملنے کا پتہ: امامیہ کتب خانہ
منزل حویلی۔ اندرون موچی دروازہ لاہور

تمھارے ہاتھوں میں اس وقت مثل قیدی کے ہیں۔ یہ فرما کر حضرت قاسمؑ نے لشکر پر حملہ کیا، قریب ۳۵، اشقیاء کے واصل جہنم کئے۔ اس کے بعد عمر سعدؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں اے سپر سعد حسینؑ کو قتل کر کے روز قیامت رسولؐ کو کیا جواب دے گا، اب صرف حضرت کے چند عزیز باقی رہ گئے ہیں، اگر اب بھی تو مانع نہ ہو تو وہ اپنے اہلیت کو لے کر مدینہ واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد حضرت قاسمؑ نے دریافت فرمایا کہ کیوں اے سپر سعدؑ تو نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا یا نہیں عمر سعدؑ نے جواب دیا کہ ہاں، حضرت قاسمؑ بیچیں ہو گئے اور فرمایا دلے ہو گھوڑے تک تو پانی سے سیراب ہوں اور رسولؐ کا نواسا پیاس سے ہلاک ہو ابن سعدؑ نے نہر چھکالیا اور رونے لگا۔ حضرت قاسمؑ نے پھر فرج پر حملہ کیا اور اشقیاء نے چاروں طرف سے گھیر کر وار کرنا شروع کیے۔ یہاں تک کہ جناب قاسمؑ کو گھوڑے پر سنبھلنا دشوار ہو گیا، آپؑ نے ضعیف آواز سے پکار کر فرمایا یا عتقاد اذیر کبھی اے چھاتی میری مدد کیجئے حضرت مثل شیر غضبناک کے چھیٹے اور حضرت قاسمؑ کے قاتل کو واصل جہنم کیا۔ اشقیاء اس کے بچانے کو بڑھے، اور کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ جب حضرت لاش قاسمؑ پر پہنچے تو عجب قیامت دیکھی، دیکھا کہ شاہزادے کے خون کی عجب طرح تقسیم ہو گئی ہے، تلواریں سرخ نیزے، اس خون سے لال مقتل کی زمین سرخ، قیامت یہ ہے کہ گھوڑوں کے قدم بھی خون قاسمؑ سے سرخ پائے۔ حضرت لاش قاسمؑ پر گھڑے رو رہے تھے، اور

اور جناب رب العزت نے فرمایا، خدا انھیں دوست رکھتا ہے۔ یہی قابلِ قدر ہستیاں تھیں ان کی وہ صرف اتنا کہتے تھے کہ پالنے والے ہمارے کُن ہوں کو عفو فرما۔ اور ہمارے امر میں حد سے گزرنے کو بخش دے، اور اربابِ کفر پر نصرت عطا کر۔ اُن کے سچے دل کی خواہش خدا کو اس قدر اچھی معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی عوض دیا، اور آخرت میں بہترین جہاد دی اور اُس کی ذاتِ نیکوں کو دوست رکھتی ہے۔ یہ حاصلِ مضمون تھا۔ کلامِ پاک کا، جس کے اکثر مطالب میں اُمید کرتا ہوں کہ اس معزز مجمع کے ذہن میں ہو گئے ہوں گے اور میرے ناچیز بیان سے ثابت ہو گیا کہ آیت میں غنی صفتیں قابلِ مدح تھیں وہ امیر المؤمنین میں موجود تھیں... اور شانِ نزول نے حرفِ بجز آیت کو ان پر منطبق کر دیا، بلکہ اصحاب کے مجمع کو چھانٹ دیا اور ایک معیار قائم کر دیا کہ اُحد کے دل جس سے صفتیں ظاہر ہوں، وہ مصداقِ سے کلامِ الہی کا، اور ثابتِ قدم رہنے والے اور وہ جو تلوار کی آنچ میں ضعیف و ناتواں ہو کر ٹھہرنے سکے یقیناً قابلِ تنبیہ ہیں۔ اور اُن کے بودے پن کے لیے ضرورت تھی کہ بہادریوں کے تذکرے کر کے رگِ حیمت کو غیرت دلائی جائے، مگر عادت بدل تھوڑی سکتی ہے۔ اُن کی فطرت میں تھا کہ میدانِ جنگ سے اتنا دور رہیں جیسے کہ سطحِ زمین سے کوہِ البقیس کی چوٹی، مگر رشک کے قابلِ تھی وہ ذات جس نے تنہا اپنی قوت سے جنگ سر کی، اور آیت کی بیان کی ہوئی صفتیں لے لیں، اور صرف اُحد ہی میں نہیں۔ بلکہ ہر غزوہ میں فتح کا سہرا اُن ہی کے

آٹھویں مجلس

مجاہدین کی ثابت قدمی، وحالاتِ جنگِ صفین اور شہادتِ جنابِ عباس علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قَاتِلٍ مَعَهُ رَايَتُهُمْ كُشِيرُهُ قَمَاءُ وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

جناب اقدس الہی اپنے کلامِ بلاغت انضمام میں ارشاد فرماتا ہے کہ انبیاء میں اکثر نبی ایسے بھی ہوئے، جن کے ساتھ بہت سے خدا والوں نے جہاد کیا۔ راہِ خدا میں جتنے زخم اُن کے جسموں پر لگے، ان کی وجہ سے وہ سُست نہیں ہوئے، نہ لڑنے میں اُن سے ضعف و اضمحلال کا ظہور ہوا اور نہ وہ دشمن کے مقابلے میں اپنے دین سے پھرے۔ یہ وہ قابلِ قدر صفتیں تھیں جن سے متصف ہونے والے خدا کے محبوب ہو گئے۔

کے مرکب پر سوار ہو کر مقابل ہوئے، اس قدر مشاہدہ معلوم ہوتے تھے کہ یہ اندازہ نہ ہو سکتا تھا کہ ابن عباسؓ لڑ رہے ہیں یا کوئی اور، مبارک باد دوں گا۔ ابن عباسؓ کو، فخر کرو تمہارے سوا عالم میں خصوصیت کسی میں نہ تھی کہ اس کا لباس علیؑ کے زیب جسم ہوا، یہ وہ ہیں جن کے قامت پر انبیاء کا لباس ٹھیک اترتا تھا، بلکہ یہ کہوں کہ ان کی صورت میں مثل ہو کو لڑنا، ملائکہ اپنا فخر سمجھتے تھے۔ یہ ذرہ نوازی اور غلام پروری تھی جو آقاؐ نے اپنے جسم پر کپڑے پہنے، آئے میدان میں اور اُسی لباس میں پہنچے۔ ان دونوں پہلوانوں نے کہا، ابن عباسؓ اپنے آقاؐ سے اجازت حرب بھی لی ہے، جواب دیا۔ اَنْزِلْ لَدُنَّيْنِ يُقَاتِلُوْنَ بِاَمْرِهِمْ مَّظْلُوْمًا لَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدْ يَمُرُّ کی تلاوت کی اور جب ان دونوں میں سے ایک نے حمل کیا، تو آپؐ نے اس کی نالت پر اس پھرتی سے تلوار ماری کہ لوگ سمجھے وارد خالی گیا، مگر جب گھوڑا اس کا بھڑکا تو حرکت سے جسم خاکی خاک پر گرا۔ اور لوگ سمجھے کہ کسی تجربہ کار کا وار تھا۔ یہاں تک کہ دوسرا پہلوان بھی تہ تیغ ہوا، گو آقاؐ اپنے اصلی لباس میں نہ تھے، مگر شمشیر زنی، اور ہاتھوں کی صفائی سے معاویہ سمجھ گیا، کہ ہوں نہ ہوں یہ علیؑ ابن ابی طالبؓ ہیں اور اگر یقین نہ آئے تو میں حکم دیتا ہوں کہ تمام لشکر کے سپاہی متفقہ کوشش سے حملہ کریں۔ اگر علیؑ ہیں تو اپنی جگہ سے ایک قدم نہ ہٹیں گے اور وہی ہوا کہ تمام لشکر نے مل کر حملہ کیا، اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ مگر جہاں پر قدم رک گئے تھے حرکت نہ ہوئی، اور وہیں کھڑے

سر رہا، اور ان کی تلوار وہ تھی جو کھینچنے کے بعد فتح کے بغیر نیا مہ نہیں گئی۔ مشہور غزوات میں بدر و حنین کے واقعات اور شجاعت کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ان سب غزوات سے جو رسولؐ کے سامنے ہوئے قطع نظر کر کے صفین کے کچھ مختصر حالات بیان کروں۔ یوں تو اس جنگ میں کشت و خون کے اعتبار سے ہردن یادگار سمجھا جاتا تھا۔ مگر وہ وقت لشکر مخالف کے نہایت جوش و غروش کا تھا جس وقت معاویہ کا غلام حریت و الفجار ابدار سے قتل ہوا، اور امیر شام کے لشکر سے کچھ پہلوان حریت کے خون کا انتقام لینے کے واسطے بڑھے۔ امیر المومنینؑ کے لشکر میں ابن عباسؓ نے مقابلہ کیا اور سب کو موت کی نیند سلا کے پلٹے۔ میر لشکر کے بغض و عناد میں اور اضافہ ہوا اور ابن عباسؓ کی طرف اشارہ کر کے اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس سوار کا سر لائے گا وہ انعام کا مستحق ہے۔ طبع زر میں دو شخص آلات حرب سے آراستہ ہو کے نکلے۔ معاویہ نے اپنے عہد کی تجدید کی، اور ان دونوں جوانوں کو روپے کی طمع اور موت کھینچتی ہوئی میدان تک لائی تو ابن عباسؓ کا نام لے کر مبارز طلبی کی۔ ایک دل چالاک اور شجاع سے بعد تھا کہ وہ دشمن سے اپنا نام منے اور مقابلے کو نہ جائے۔ دوڑتے ہوئے جناب امیرؑ کی خدمت میں پہنچے، اور اجازت میدانی چاہی۔ آقاؐ نے کچھ سوچ کر اجازت دینے کے بجائے ابن عباسؓ کے جسم سے لباس اور آلات حرب اتروا کے وہی ہتھیار اپنے جسم پر آراستہ کئے اور انھیں

مقرب ایسا نہ ہوگا جو زیر سایہ نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ علمداری مخصوص کھتی، ان کی ذات سے، اور صرف یہی نہیں کہ رسولؐ اپنے اصحاب کے گروہ میں اس عہدے کے لیے انھیں جناب کو منتخب کرتے تھے، بلکہ حشر کے مجمع میں انبیاء اور ملائکہ کی صفوں میں بھی انھیں کا انتخاب ہوگا، بعد اس کے اگر اپنی ذاتی صفوں سے اولاد میں ان جناب کی استحقاق علمداری ہو تو مقام عجب نہیں۔ کہاں تک باپ کا اثر بیٹے میں نہ ہوگا، اور تھے بھی یہ جناب موزوں۔ امیر المومنین نے ان کی کمیت ابو الفضل رکھی تھی، اور بھی صاحبزادے تھے جناب امیر کے مثلاً محمد بن حنفیہ مگر ابو الفضل انھیں کو کہا اس سے ثابت ہے کہ کوئی صفت ایسی نہ تھی جو عباس میں نہ ہو۔ وفاداری شجاعت، حسن و خوبصورتی کس صفت کو بیان کروں یا وہ خدمتیں جو امام حسینؑ نے ان سے متعلق کی تھیں۔ آپ کے سامنے پیش کروں، یا وہ درجات عرض کروں جو روز قیامت جناب عباس کے ہونے والے ہیں محضوم کا ارشاد ہے کہ جناب عباس کی عند اللہ وہ منزلت ہوگی کہ تمام شہداء روز قیامت غبطہ کریں گے۔ حدیث کی لفظیں مختصر ہیں، مگر اظہار مرتبت میں نہایت کافی۔ اسی طرح القاب بھی جناب عباس کے لیے ہی تھے۔ جن میں کوئی ان کا شریک نہیں پہلا لقب اہل مدینہ کا دیا ہوا بحار میں یقال لکے قدر یحییٰ ہائیتہم دوسرا لقب عباس طیار تیسرا افضل الشہداء چوتھا حامل اللواء پانچواں سقائے اہلبیت۔ ہر لقب ان میں تفصیل طلب ہے جس کے تعلیقات کتب مقاتل میں موجود ہیں۔ میں

کھڑے کل لشکر کو شکست دی۔ اب لوگ سمجھے کہ یہ ابن عباسؓ نہیں ہیں، بلکہ خود علیؓ ابن ابی طالب ہیں اور شاید اسی استقلال کو دیکھ کر رسولؐ نے ہمیشہ علمداری کا عہدہ انھیں کے سپرد کیا۔ اس لیے کہ علمداری کی قوت پر فوج کی قوت موقوف ہے۔ اگر علمدار سے کسی وقت سستی ظاہر ہو تو فوج لڑ نہیں سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر غزوہ میں علم ان ہی جناب کے ہاتھ میں ہوتا تھا، لطف یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی اس خدمت کو سلب نہیں کیا، علمداری کے عہدے کے واسطے انھیں کا انتخاب ہوگا، شان اس علم کی یہ ہوگی کہ طول میں ہزار سال کی راہ تک بلند اور قبضہ اس کا تقریباً ہوگا، اور وسط کا حصہ زمر و سبز کا سناں باقوت سرخ کی تین پھر ہرے ہوں گے، ایک نور کا دنیا کے مشرقی حصے کو گھیرے ہوئے۔ دوسرا مغرب میں تیسرا خانہ کعبہ کو اپنے سائے میں لیے ہوئے اور اس پھر ہرے پر تین سطریں قلم قدرت سے لکھی ہوں گی۔ پہلے میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، دوسرے میں الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ ملائکہ کو حکم ہوگا کہ اس علم کو اٹھائیں۔ جب کوئی ملک نہ اٹھا سکے گا تو وہی قدرت سے آواز آئے گی۔ آمین اللہ الغالب۔ کہاں ہیں شیر خدا علیؓ ابن ابی طالب اس ندا کو سن کر وہ جناب مجمع حشر سے اٹھیں گے اور اس علم کو جسے ملائکہ نہ اٹھا سکتے ہوں گے، مثل نگہ تے کے لیے ہوئے پھر ہر اس پر جناب کی طرح لہراتا ہوا، صراط پر سے عبور کریں گے۔ کوئی نبی مرسل اور ملک

تفصیل کرنا نہیں چاہتا۔ قمر بنی ہاشم مشہور ہوئے تو اس لیے کہ اس قدر حسین تھے کہ جب بازار مدینہ سے گزر جاتے تھے، تو دکاندار خرید و فروخت چھوڑ دیتے تھے، اور صورت دیکھنے میں محو ہو جاتے تھے۔ دوسرا لقب یعنی عباس طیار، یہ بعد شہادت ملا۔ بحار میں ہے کہ ایک دن ہمارے چوتھے امام بیمار کر بلائے جناب عباسؑ کے صاحبزادے عبداللہ کے پھرے پر نظر کی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، فرمایا خدا رحمت نازل کرے عباس ابن علیؑ پر کہ انھوں نے اپنی جان اپنے بھائی پر فدا کر دی۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ قطع ہو گئے (خداوند عالم ان کو بھی جعفر طیار کی طرح دوشہیر عنایت فرمائے گا کہ وہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریں گے۔ بعد اس ارشاد کے عباس طیار ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح افضل الشہداء امام سی کا دیا ہوا لقب ہے اور جو مرتبہ سید الشہداء نے بھائی کی نعش پر پڑھا تھا۔ اس میں افضل الشہداء سے تعبیر کیا تھا پھر بھلا مظلوم کر بلا کے انتخاب سے کسے انحراف معلوم ہو کہ افضل بھی یہی اور افضل الشہداء بھی انھیں سے مختص۔ لیکن جس قدر شہرت آج علامہ حسینؑ اور سقائے اہلبیت ان دو لقبوں کی ہے۔ وہ کسی لقب کی نہیں اور یہ دونوں خطاب ہو کر بلا کی زمین پر پہنچ کر آپ کو ملے۔ ممتاز بھی ہیں۔ اس لیے کہ عرض کر چکا ہوں علمداری جناب امیر کے اعزاز کا باعث ہوئی۔ اور سقائیت بھی کچھ کم۔ ان جناب کی معزز کرنے والی نہیں ہوئی، مگر فرق ہے جناب عباسؑ اور امیر المومنینؑ میں دونوں صفیں عباسؑ میں

تھیں تو مگر اس طرح عباسؑ ان سے متصف ہوئے کہ امیر المومنینؑ کو ایسا موقع نہ ملا تھا، اور یہ واقعہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے سقائیت و علمداری مختلف مواقع پر کی۔ لیکن عباسؑ نے وقت واحد میں، دونوں شرف سرکار جلیبی سے لیے، اور جب رخصت ہو کر چلے ہیں، تو ہاتھ میں علم، اور دوش پر مشک سکیئہ یہ شان تھی۔ بلکہ یہ کہوں کہ آج تک حسینؑ کی اس مرحمت کا اثر باقی ہے، اور عزاداروں نے ان اوصاف کو عباسؑ سے الگ ہونے نہیں دیا۔ دیکھ لیجئے جس عزا خانے میں عباسؑ کا علم ہوگا۔ وہاں مشک سکیئہ ضرور ہوگی۔ ہاں عزاداران حسینؑ آج آنکھوں میں تاریخ محرم کی آگئی صرف دو مجلسیں اس عزا خانے میں اور باقی ہیں۔ عنقریب آقا رخصت ہوں گے۔ کوئی حسرت دل میں رہ نہ جائے۔ بلکہ دل تو یہ چاہتا ہے کہ روز اگر مجلس سے و احسینؑ و احسینؑ کی صدا آتی تھی، تو آج واعبا ساہ و اعبا ساہ کی آوازیں بلند ہوں، اور سید عالم کو ان کے فرزند عباسؑ کا پُرسا دیا جائے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ عباسؑ جس طرح میدان جنگ میں آئے ہیں اُس طرح کسی شہید کو میدان میں آنے کی نوبت نہیں آئی۔ عباسؑ کے دل پر صرف اہلبیت کی مفارقت اور پتھل کی تشنگی کا ہی صدمہ نہ تھا۔ بلکہ بھائیوں کے غم نے بھی دل کو مجروح کر دیا تھا۔ کسی کا ایک بھائی مَر جاتا ہے، تو کمر شکستہ ہو جاتی ہے، بازوؤں کی قوت جواب دے دیتی ہے عباسؑ نے اپنے تین بھائی نصرت حسینؑ میں کام آتے ہوئے دیکھے، اور خود ہر بھائی

لہذا فطرت کا تقاضہ ہے۔ عباسؓ خیمے میں روکے گئے ہوں گے اور سکیئنہؓ نے زائد روکا ہو تو عجب نہیں، اور صرف نیزے کا ہونا بتا رہا ہے کہ اطفالِ حسینؓ اور بالخصوص سکیئنہؓ نے روکا ہوگا، کہ چچا آپ بھی مرنے چلے، تو حضرت عباسؓ نے فرمایا ہوگا۔ جانِ عم میں لڑنے نہیں جاتا تم مطمئن رہو۔ پانی لے کر آتا ہوں، اور اگر یقین نہ آئے تو سکیئنہؓ میں تلوار بھی چھوڑے جاتا ہوں، اب تو دامن چھوڑو گی میرا قوی گمان ہے کہ صرف نیزہ ہاتھ میں ہونے سے اہلیت کے دل قوی تھے کہ عباسؓ پلٹ کر آئیں گے، اور لڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔ مگر مجھے اپنی شاہزادی جناب سکیئنہؓ سے عرض کرنا ہے کہ بی بی چچا جان کو رخصت کر دیجئے آنے کی امید عبت ہے۔ آج جو میدان میں گیا، وہ پھر زندہ پلٹ کر آیا۔ شاہزادی اگر یہ شیعہ وہاں ہوتے تو واللہ آپ کے چچا پر بھی اپنی جانیں فدا کر دیتے، مگر مجبور ہیں کوئی کس نہیں۔ آپ سے اتنی تمنا ہے کہ روئے قیامت اپنے بابا سے ان رونے والوں کی سبھی کر دیجئے گا انھوں نے آپ کی نصرت آنکھوں سے کی ہے۔ ہاں جناب قبر بنی ہاشم رخصت ہو کر میدان میں پہنچ گئے اور پہلی مصیبت جو جناب عباسؓ پر پڑی، وہ شیش بن ربیع کی بے ادبی تھی۔ اس شقی نے صفِ لشکر سے نکل کر خطاب کیا، کہ اے ابو ترابؓ کے فرزند کہہ دو اپنے بھائی سے کہ اگر تمام روئے زمین پانی پانی ہو جائے، اور ہمارے اختیار میں ہو تو بھی ہم ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے۔ یاد رکھیں آپ عزت دار کے لیے زخم نیزہ و

کو میدان میں بھیجا، اور جب کوئی نہ رہا تو سید الشہداءؓ سے طالبِ اذن ہوئے۔ امامؑ نے فرمایا۔ یا اخی کنت علامۃ من عسکرمی بھائی تم تو میرے لشکر کی رونق ہو۔ عباسؓ نے عرض کیا فرزند رسولؐ اب میرا دل زندگی سے سیر ہے اور قلبِ سینے میں تنگی کر رہا ہے جانتے تھے سید الشہداءؓ کہ عباسؓ مستقل مزاج ہیں جو ارادہ کر لیتے ہیں وہ پھر بدل نہیں سکتا، اور یہ سب معلوم تھا کہ عباسؓ شجاع و بہادر ہیں، ممتاز ہیں۔ امیر المومنینؑ نے فنونِ حربِ تعلیم کئے ہیں، اگر میدان میں پہنچ گئے تو پھر لشکر دشمن کا استیصال کے بغیر نہ رہیں گے، شاید اسی خیال نے جہاد کی اجازت نہ دی، اور صرف پانی لانے کا حکم دیا، فرمایا عباسؓ اگر لڑنے ہی کا ارادہ ہے اور جہاد پر مستحکم باندھی ہے، تو پھر ان سپاہیوں کے لیے پانی کی تدبیر کرو۔ خیمہ میں گئے، دردِ نہال جو تھا اسے کون بیان کر سکتا ہے۔ مگر برآمد ہوئے تو علم کے ساتھ ساتھ مشک سکیئنہ بھی تھی، اور ہاتھ میں صرف نیزہ تھا، خیمہ کا حال ہمیں نہیں معلوم کہ پردہ و زینبیں سے کیا باتیں ہوئیں اور زینبؓ نے بھائی کو کیونکر رخصت کیا، مگر ہاتھ میں تلوار نہ ہونا اس کو بتاتا ہے اور بالخصوص ایسے وقت میں جب امامؑ کی زبان پر جاری ہو چکا، کہ بھیا تم رونق ہو میرے لشکر کی، اور تمھاری وجہ سے ہماری جمیعت پر آگندہ نہیں ہو سکتی۔ اہلیت کا بھی یہی خیال ہوگا۔ اس بنا پر کہ سیدانوں کو بہت زائد اپنے وارثوں سے ڈھارس ہوتی ہے اور خصوصاً پچھل کو بھی ان کے وجود سے تسکین ہوگی۔

اور خود سینہ سپر ہوئے، مگر خدا العنت کرے کمانداروں پر کسی شقی نے ایک تیر کمان سے رہا کیا۔ جس نے چچا کو بھتیجی سے شرمندہ کیا اور مشک کو چھید کر پانی بہا دیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا تیر سینے پر پڑا۔ اور غول کو پانی کے ساتھ بہانا شروع کیا۔ عزادار و پھر ایک ملعون نے بڑھ کر گرز گرانا سے سر پر حملہ کیا، اور علمدار حسینؑ تورا کر گھوڑے سے زمین پر گرا اور آواز دی فرزند رسولؐ خبر لیجئے۔ امامؑ وَاعْتَبَا سَاكَا وَاقْتَرَا عَيْنَاكَ الْاَلَانِ اِنْ كَسُوْكَ ظَهْرِيْ وَقُلْتَ جَيْلِيْ كَتَمْتُهُ بُوْءَ بُوْءَ اب مجھے سید الشہدائے ایک بات پوچھنے دیجئے، کیوں آقا آپ بھائی کی نعش پر پہنچے، تو وہ دونوں کٹے ہوئے ہاتھ جو مشک پر سے عباسؑ نے نثار کر دیئے تھے آپ کو ملے۔ جناب شیخ جعفر فرماتے ہیں، کہ غلط ہے جو ذاکرین پڑھتے ہیں کہ سید الشہدائے جھک کر ہاتھ اٹھائے۔ اپنی آغوش میں جگہ دی، جس وقت ہاتھ قطع ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد بھی عباسؑ نے خیمے کی راہ طے کی، اور گھوڑے سے گرنے کا مقام اس مقام سے پہلے امام کو ملا جہاں ہاتھ قطع ہوئے۔ اچھا ہاتھ اگر مل بھی گئے ہوں تو سر کا تو دفن ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ قاسم ابن الصغ نازل ہے کہ میں نے راہ شام میں ایک شقی کو گھوڑے پر سوار یوں دیکھا کہ شکار بند میں اُس کے ایک سرخ تھکا۔ جب راہوار اُس کا ٹھوکریں لیتا تھا، وہ سر زمین سے ٹکراتا تھا۔ میں نے پوچھا او شقی کیسے مظلوم کا سر ہے، اُس نے کہا، عباسؑ ابن علیؑ کا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الظَّالِمِيْنَ ۵

شمشیر سے زیادہ خطرناک زخم زبان ہے۔ عباسؑ نے صبر کیا اور اس لیے کہ لوٹنا منظور تھا ہی نہیں۔ فرات کا رخ ہے اور پانی کا ارادہ تیس ہزار کا لشکر فرات کی طرف بڑھتے دیکھ کر سمٹ رہا ہے مگر عباسؑ نے ایک ہی حملہ میں سب کو گھاٹ سے پسپا کر دیا اور نہ میں گھوڑا ڈال کر دم لیا، اور چلو میں پانی لے کر سید الشہدائے کی پیاس کو یاد کیا اور چھینک دیا اور دکھا دیا کہ پانی قبضہ میں ہے۔ مگر حسینؑ اور ان کے بچے پیاسے ان کے بغیر عباسؑ پر یہ پانی حرام ہے مشک بھری اور فرات سے پیاسے نکل آئے۔ یاد رکھئے کہ اب عباسؑ کا خیال صرف دشمن سے مشک سیکھنے کو بچا لینے کا ہے اور نہ معلوم کتنی اُمیدیں اس پانی سے وابستہ ہیں، ادھر خیمے کی راہیں روک لی گئیں، کمانداروں کے جتنے ایک طرف، نیزے دار دوسری سمت، تلواروں کی گھٹا چھائی ہوئی اور عباسؑ نے تن تنہا اُس نیزے سے جو ہاتھ میں تھا خون کے دریا بہا دیئے، مگر انصاف تو کیجئے، ایک تن تنہا کس کس کا مقابلہ کرے، اور پھر علم کی حفاظت مشک کا خیال، کسی طرف ذہن منتشر، مگر باوجود اس کے بھی کسی کو جرات نہ ہوئی کہ سامنے سے عباسؑ پر حملہ کرتا۔ مکیں گاہ سے ایک شقی نے داہنا ہاتھ جس میں مشک تھی حملہ کر کے قطع کر دیا، اب عباسؑ کیا کریں پھرتی سے بائیں ہاتھ میں مشک لی۔ اُس شقی نے دوسرے ہاتھ کو بھی بند دست سے جدا کر دیا، مگر اب بھی پانی کی حفاظت میں سقتائے سیکھتے مشغول ہے اور مشک کے تسخے کو دانتوں کی مدد سے روکا

٨٤

<http://fb.com/ranajabirabbas>

کیسا تھا۔ اگر کسی جنگ میں علیؑ کے سر میں تیر لگ گیا اور لوگوں نے نکالنا چاہا تو علیؑ سے ضبط نہ ہو سکا۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جب نماز میں مشغول ہوں تب تیر نکال لینا ایسا ہی کیا گیا۔ جب علیؑ نماز میں مشغول ہوئے تب لوگوں نے تیر نکال لیا۔ علیؑ کو مطلق خبر نہ تھی نہ نبیؐ جب نماز تمام کی مصلے پر غور دیکھا۔ یہ غور کیسا ہے۔ لوگوں نے سبب بیان بھی کر دیا۔ اُس وقت ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تو کچھ خبر ہی نہ ہوئی کبھی علیؑ نے صفین کے میدان میں اس وقت نماز پڑھی جب ہر طرف تیروں کی بوچھاڑ تھی، جنگ مغلوبہ واقع تھی علیؑ نے حکم دیا کہ مصلے چھادیا جائے۔ لوگوں نے عرض کی مولا۔ یہ وقت نماز کا نہیں اس لیے کہ جنگ مغلوبہ واقع ہے، اپنا اور بیگانہ دکھائی نہیں دیتا فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہو، ہم نماز ہی کے واسطے تو جنگ کرتے ہیں، لڑائی میں علیؑ کی نماز یادگار زمانہ تھی، اور علیؑ کی نماز کی برابری کوئی نہیں کر سکتا، مگر ہاں یہ بھی کہونگا کہ حسینؑ کی نماز بھی کم نہ تھی۔ علیؑ نماز پڑھتے تھے اور ضرور پڑھتے تھے۔ مگر تین دن کے بھوکے پیاسے نہ ہوتے تھے، ذرا حسینؑ کے دل سے پوچھتے تین دن پانی بند ہے، ابو تمائمہ صیدادی عرض کر رہے ہیں کہ اے مولا میری جان آپ پر سے فدا ہو، اب میں مشتاق ہوں کہ نماز ظہر آپ کے ساتھ پڑھ کر خداوند عالم سے ملاقات کروں حضرت نے سر اپنا آسمان کی طرف اٹھا کر کہا کہ کُنُوتُ الصَّلَاةِ جَعَلَكَ اللهُ مِنَ الْمُصَلِّينَ اے ابو تمائمہ اس وقت جو قوم نے نماز کو یاد کیا تمھیں خداوند عالم بروز قیامت نماز گزاروں کے ساتھ محشور کرے ہاں یہ وقت نماز ظہر

ہوئی تو بیان کر دو گے۔ یائیں کہوں، عرض کی، آپ ارشاد فرمائیں، اس لیے کہ آپ کا کلام میرے کلام سے زیادہ شیریں ہے۔ ارشاد فرمایا، یا علیؑ ادھر میں نماز میں مشغول ہوا، اور ادھر تم کو وضو کی ضرورت ہوئی، تم سیدہ کے گھر پر گئے، وہاں حسینؑ کو پکارا مگر جواب نہ آیا، تو تم مایوس ہو کے پیٹے تو صدائے غیب آئی، علیؑ دہسٹی طرف دیکھو اب تم جو مڑے تو دیکھا ایک طلائی لوٹا ہے پانی کا، اور اُس پر ایک سبز رومال جنت کا ڈھکا ہوا ہے تم نے اُس سے وضو کیا، اور اگر نماز میں آخری صف میں شریک ہوئے، جب ہم تم پانی کی تلاش میں تھے اُس وقت تک ملک مجھے روکے ہوئے تھا کہ نماز تمام نہ کرنا، علیؑ ابھی شریک نہیں ہیں، ہاں علیؑ وہ لوٹا جنت کے لوٹوں میں تھا، اور اُس میں کوثر کا پانی تھا۔ بہر حال میں نے آپ کو دکھایا کہ علیؑ کا انتظار ہے نماز کو، اور آخر نماز میں ہے کیا، علیؑ ہی کا تو ذکر ہے اگر علیؑ کی محبت ہے تو نماز بھی صحیح ہے۔ رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو نماز کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ پر درود نہ بھیجے گا۔ اُس کی نماز صحیح نہیں ہے لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ رسول اللہؐ تو یہ ارشاد فرماتے کہ درود بھیجے بغیر نماز صحیح نہیں۔ اور پھر یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں لَا صَلَوةَ إِلَّا بِمَا بَغَاةَ الْكِتَابِ نماز بغیر سورۃ حمد کے پڑھے ہوئے صحیح نہیں ہے۔ آخر یہ کیا۔ میں کہوں گا کہ آخر سورۃ حمد میں کس کا ذکر ہے، علیؑ ہی کا اس میں بھی ذکر ہے۔

بہر حال یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ علیؑ کی نماز کیسی تھی اور علیؑ کا خلوص

کہ مجھ کو حمان بلا کر بے وفائی کی، ہمارے عزیزوں کو قتل کیا، اور پھول کا
خون بہایا، اب میرے قتل پر آمادہ ہیں، حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ میں ان کے
نبی کا نواسہ ہوں، اور شہدائے نماز کا تو عجیب طرح کا تھا۔ بیشتر ناقل ہے کہ
جب میں نے سینہ اظہر مظلوم کر بلا پر پاؤں رکھے، میں نے دیکھا کہ حسینؑ
کے لبہائے مبارک کو جنبش ہے۔ میں کان قریب اس خیال سے لے گیا،
کہ شاید حسینؑ میرے لیے بددعا کرتے ہوں۔ میں نے سنا کہ حسینؑ فرما رہے ہیں
پروردگار میں نے تو اپنا وعدہ وفا کیا، تو بھی صادق الوعد ہے، میرے نانا کی
آمت کو بخش دے۔ بس تشدد کے بعد حسینؑ نے سر سجود میں رکھا، اور
پھر سر بلند نہ ہوا۔ نہیں نہیں بلند ہوا۔ مگر کیونکر شہر نے خنجر سے جدا کیا، اور
سر نوک نیزہ پر چڑھایا لیکن ہاں اتنا فقرہ اور سن لیجئے، نماز کے بعد چھوٹے
بھی پڑھا جاتا ہے۔ بس حسینؑ نے عجب شان سے وظیفہ پڑھا۔ کہاں شام
کے ناظرین حسینؑ کا سر نوک نیزہ پر ہے، اور لبہائے امام کو جنبش ہے
اُمّ حَسْبِیْنَ اِنَّ اَصْحَابَ الْکُفْرِ وَالزُّفْرِ کَانُوْا اِیْتَانِ عَجَبًا
عزاداران حسینؑ اس پر منحصر نہیں بلکہ اس نماز کا وظیفہ حسینؑ نے بہت طوالتی پڑھا
کر بلا سے کوڑ، اور کوڑ سے شام تک برابر تلاوت قرآن مجید کرتے رہے، اس
وظیفے کا بقیہ تو دربارِ یزد میں پڑھا ہے کس وقت، جب یزد تختِ حکومت
پر بیٹھا ہوا تھا، اُس وقت اس آیت کی تلاوت ہو رہی تھی وَ سَيَعْلَمُ
اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَنْقَلِبُوْنَ بَوْتَاۤیَہِ اِسْمِہٖ اِسْمِہٖ
مظلوم کی کیا خطا تھی جو یزد ملعون نے ایک دم سے کہا کہ ذرا ہماری چھری

کا ہے، اچھا ان اشقیاء سے کہو، کہ یہ اتنی اجازت دے دیں کہ ہم نماز ظہر
پڑھ لیں۔ اللہ اکبر! جس کے گھر سے نماز کا رواج ہو، ارے وہی آج نماز
کی اجازت مانگتا ہے اور وہ ملعون جواب میں عجب فقرہ کہتے ہیں کہ جس کو
میں عرض نہیں کر سکتا، لیکن ہاں حدیث یحییٰ ہو کے بولے، اے پسر نر زانیہ
تیری نماز قبول ہو اور فرزند رسولؐ کی نماز قبول نہ ہو۔ جب امامؑ نے دیکھا
کہ یہ ملائمہ ٹھلت نہیں دیتے، تو آپؐ نے زہر میں قین اور سعید بن عبد اللہ
سے فرمایا کہ تم آگے کھڑے ہو جاؤ میں نماز پڑھوں حسینؑ نے نماز ظہر
اس شان سے پڑھی، اور نماز عصر عجب طریقے سے پڑھی اور وہ ایسی نماز تھی
کہ ابتدائے عالم سے آج تک نہ کسی نے پڑھی ہے اور نہ آئندہ ایسی نماز
کوئی پڑھ سکے گا۔ اس نماز کو حضرتؑ نے عجب ہنیت سے ادا کیا، طرز قیام
و قعود بھی اس کا جدا گانہ تھا، انداز رکوع و سجود ہی اس کا علیحدہ تھا، اگرچہ
یہ نماز ظاہر البصورت نماز تھی۔ مگر حقیقت میں نفس نماز دل نماز اور جوہر
نماز تھی، ابتدا اس نماز کی اُس وقت سے ہوئی کہ حسینؑ زخموں سے بخور
چوڑھجوم رہے ہیں اور سنان ابن انس نے بڑھ کے نیزہ مارا جس سے
میرا مظلوم امامؑ گھوڑے سے زمین کی طرف یہ کہتا ہوا آیا پس سجدۃ اللہ و
بِاَللّٰہِ و عَلَیْہِ سَلَامٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ قیام اس نماز کا وہ تھا کہ حضرتؑ گرے
سیدھے ہوئے اور رکوع اس کا یہ تھا کہ شہادت جناب عباسؑ سے حضرتؑ
کی نشت مبارک خمیدہ ہو گئی تھی، اور قعود اس نماز کا یہ تھا کہ حسینؑ کہہ رہے
تھے، پروردگار تو میرے اور اس قوم بھاکار کے درمیان میں نصاب کر

تو لادے۔ خادم نے چوب خیزان لاکے دی، اُس شقی نے حسین کے لب و
 دندان سے وہ بے ادبی کی، کہ امام کی ایک صاحبزادی جو موجود تھیں ہر
 مرتبہ اپنا منہ پیٹ لیتی تھیں، خیر یہ تو امام کی صاحبزادی تھیں ارے یہ تھا
 تو وہ تھی کہ کفار سے بھی نہ دیکھی جاسکی چنانچہ ایک نصرانی شاہ روم کا
 وکیل جو اُس وقت دربار میں بیٹھا ہوا تھا پہنچا ہو کر سوال کر بیٹھا کہ اے
 یزید یہ کس مظلوم کا سر ہے جس کے ساتھ تو یہ لوگ کر رہا ہے۔ اُس بیچانے
 کہا تجھے اس حالت کے دریافت کرنے سے کیا مطلب نصرانی نے کہا اے
 امیر میرے بادشاہ کی عادت ہے کہ جب میں کسی سفر سے واپس جاتا ہوں تو وہ
 مجھ سے ہر مقام کا حال دریافت کرتا ہے۔ لہذا مجھے جلد آگاہ کر کہ یہ کس کا ہے
 تاکہ میں بھی تیری خوشی میں شریک ہوں، اور جب وطن واپس جاؤں تو اپنے
 بادشاہ سے قصہ بیان کروں۔ یہ سن کر یزید نے کہا ہذا اناس الحسین
 یحسین کا سر ہے نصرانی نے پوچھا کون حسین، ذرا ان کی ماں کا نام تو بتا۔
 کہا فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفیٰ اکہا کون محمد جواب دیا، جو ہم مسلمانوں کے
 رسول تھے۔ وہی دنیا جن کا کلمہ پڑھتی ہے۔ یہ سننا تھا کہ نصرانی کانپ اٹھا
 اور کہا اے یزید وائے ہو تجھ پر اور تیرے مذہب پر! ارے تیرے دین سے تو
 میرا دین بہتر ہے، اس لیے کہ میرا باپ صرف نسل حضرت ہود سے تھا،
 اب تک نہیں معلوم کتنی پشتیں درمیان میں گزر چکی ہیں باوجود اس کے میری
 قوم کے لوگ اب تک میری یہ عزت کرتے ہیں کہ میری خاک قدم تعظیماً اپنی
 آنکھوں سے لگاتے ہیں، اور تو نے وہ ظلم کیا جو کوئی بیدین سے بیدین بھی

نہ کرے گا، ارے تو نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کیا اور پھر قتل بھی تیرے
 لیے کافی نہ ہوا۔ بلکہ اب تک تو ان کے سر سے یہ بے ادبی کر رہا ہے۔ حالانکہ
 حسین اور رسول میں بحر فاطمہ کے کوئی اور فاصلہ بھی نہ تھا۔ یہ تقریر سن کر
 یزید ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو، یہ اور شہروں میں جا کر بدنام کرے، حکم دیا کہ نصرانی
 کو قتل کر ڈالو۔ جب نصرانی کو اپنے قتل کا یقین ہوا، تو کہنے لگا اے یزید مجھ
 سے ایک واقعہ سن لے، اس کے بعد مجھ کو اختیار سے قتل کرنا۔ وہ یہ کہ میں نے
 شب کو تیرے رسول کو خواب میں دیکھا کہ مجھے جنت کی بشارت دیتے ہیں
 میں حیران تھا کہ مسلمانوں کے رسول اور مجھے جنت کی بشارت دیں، مگر
 یزید اب مجھ کو معلوم ہوا کہ خواب میرا سچا تھا اور محمد مصطفیٰ خدا کے سچے
 رسول ہیں۔ یہ کہتا ہوا میرا امام کی طرف بھینسا اور کہا آقا آپ میرے گواہ
 رہیے گا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ
 --- یہ کہہ کر سر حسین طشت سے اٹھالیا، اور منہ پر منہ رکھ کر کہنے لگا
 مولانا قاضی آپ امام برحق ہیں، گواہ رہیے گا۔ کہ آپ کی محبت میں قتل
 ہوتا ہوں حسین کی جاننے والی بہن زینب بے چین ہو کر کھڑی ہو گئیں
 اور پکار کر کہا اے نصرانی تو نہ گھبرا میں تیری ضامن جنت ہوں۔

دسویں مجلس

شہدائے راہِ خدا کا پیشِ خدا مرتبہ اور ان کی حیات
شاہ اسماعیل کا قبر حضرت محمدؐ کا گھر اناہ

قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي الْفُرْقَانِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْ هُمْ أَمْواتٌ
بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَوِّقُونَ ۖ فَرِحِينَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ
لَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝

موت و حیات کا خالق، مجاہد و قاعد کا فاتح، دُنیا کا حال جاننے والا
راہِ خدا میں جان دینے والوں کی عزت بڑھانے والا، ارشاد فرماتا ہے۔
جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے، انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ
لوگ زندہ موجود ہیں، اپنے پیروں کا رُکے یہاں سے وہ طرح طرح کی
روزی پاتے ہیں، اور غلے جو فضل و کرم اُن پر کیا ہے اُس کی خوشی سے بھول
نہیں سماتے، اور لوگ اُن سے پیچھے رہ گئے، اور اُن میں آکر شامل نہیں

ہوئے اُن کی نسبت یہ خیال کر کے خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں۔
تو اُن پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا، نہ آزدہ خاطر ہوں گے۔

مرتبہ شہادت اسلام و دینداری کا آخری درجہ ہے۔ شہادت ایک
آزاد ہدایت ہے اور شہید ہادی ہے۔ زمانہ حیات میں اکثر واقعے پیش آتے
ہیں، ایک کی شہادت دوسرے کے رجوع کا سبب ہوگئی ہے موت اور زندگی
کتابِ عالم کے دو ضروری مضمون ہیں جن پر ہزاروں کی نظر پڑ چکی ہے اور
ایک عالم دیکھنے والا ہے، کون ایسا ہے جس کو موت کا یقین و انتظار نہ ہو،
جاننے ہیں کہ آج اگر موجود ہیں تو کل نہ ہوں گے، مرنے ضرور ہے لیکن شہید وہ
انجام میں نگاہیں رکھنے والا شخص ہے جو غول بہا کر سرخرو ہوتا ہے، اور
گروہِ غوثی کفن میں داخلے کی سند حاصل کرتا ہے اور مرتے مرتے صبر کی
حدیں طے کر کے صابروں میں داخل ہو جاتا ہے۔ شہادت رضائے الہی
کا بھی ایک وسیلہ ہے، اس لیے کہ اپنا غول اُس کھیتی کے ہر کرنے میں صرف
کرنا پڑتا ہے، جس زراعت کو انبیائے اولو العزم کی پیشانیوں کے پسینے
سینچتے چلے آئے ہیں۔ اب جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ بنیادِ کلام الہی شہدائے راہِ
خدا زندہ ہیں تو لازم ہے کہ تمام وہ عادات جو زندگی میں گلے کا ہار ہو
جاتے ہیں۔ وہ بھی ہوں ایسا ہی ہے بھی اس لیے کہ آیت کی وہ لفظ کہ
شہدار اپنے خدا کے یہاں سے طرح طرح کی روزی پاتے ہیں۔ یہ بتا رہا
ہے کہ یوم الفضل میں یہ لوگ زندگی کا لطف پاتے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔
کہ شہدار ہماری آوازیں سنیں اور ہمیں اپنی آواز سنائیں، اور اسی مقام

فائزہ کی گود کے پالے میں حسین ابو تراب کے دلہند ہیں، ان کے جسم کی حفاظت تو زمین نے بدرجہ اولیٰ کی ہوگی۔ میں آج حسین کی قبر کھدواتا ہوں اگر یہ صحیح نکلا، اور میں نے حسین کی لاش سالم پائی تو میں بھی ایمان لاؤں گا، ورنہ یہ زائروں کی آمد و رفت سب بے کار ہے۔ وزیر شیعہ ہے اور حسین کا دوست ہے، اور قسمت بد کے سبب اپنے کانوں سے سن رہا ہے کہ حسین کی قبر کھدوانے کا ارادہ ہے۔ دل لرزے لگا آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کلیجہ منہ کو آنے لگا خلافت بنی عباسیہ کے زمانے میں جو جو ظلم غریب حسین کی تربت پر ہو گئے سب کے سب یاد آ گئے، بے اختیار دل کو امام سے رجوع کیا کہ مولا آپ خوب جانتے ہیں، یہ بادشاہ ہے اس کے سامنے میرا کوئی بس نہیں ہے، مگر مولا اللہ خدا سے دعا کیجئے کہ میری زندگی میں یہ وقت نہ آئے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں، یا کچھ ایسا تعلیم کیجئے کہ میں اس ارادے سے اسے باز رکھوں۔ ادھر وزیر حسین کی خدمت میں عرض کر رہا ہے، ادھر بادشاہ کا اصرار قافلے کی صورت بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قافلے کر بلا کے حدود میں پہنچ گیا، اور دور سے حضرت حمزہ کے روضے کی کبھی نظر آئی، اور شاہ اسماعیل نے مقصود ارادہ کر لیا کہ حسین کی قبر کے ساتھ جو سوچا ہے وہ کرے گا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اُردیا چھوڑنے کے بعد امام کی کیا حالت ہے۔ ادھر وزیر نے دیکھا کہ اب کوئی صورت نہیں بن آتی، بس قبر کی طرف رخ کیا اور آواز دی کہ اے عمر حسین غریب کے بھوکے پیاسے مہمان، اے نبی کے نواسے کے فدائی، میں مجبور ہوں عاشور

سے وہ اعتراض جو عام شیعوں پر قبر پرستی کا ہے اٹھ جائے گا ہم تمام ائمہ کی قبول کا احترام کرتے ہیں وہ بُرا نہیں ہے۔ اس لیے کہ ائمہ کا بھی احترام واجب، اور شہیدوں کا پاس و لحاظ جب حشر میں انبیاء کریں گے تو ہمیں نہ کرنے کی کون سی وجہ۔ اب ہم اگر امام حسین کی اور تمام ائمہ کی قبول کی زیارت کرتے ہیں اور ان کو وسیلہ تقرب الہی جان کر اپنی آرزوئیں بیان کرتے ہیں تو کیا بُرا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر اس گروہ کو ہم چھوڑ دیں دیر کے لیے پیشوا اور امام بھی نہ مانیں تو شہید ہی سمجھ کر ہر طرح کی آرزو بیان کر سکتے ہیں اور یہ خیال کہ تربت حسین کی زیارت نہ کی جائے اور حسین کو تقرب الہی کا ذریعہ نہ سمجھا جائے، یہ آج سے نہیں، بلکہ ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ ہاں اس مطلب کو لباس الفاظ اور پہنائے گئے ہیں۔ مگر اصل غرض و نیت یہی تھی۔ سب سے پہلے شاہ اسماعیل قاجار نے اس امر کا تفحص کیا ہے، جب حج سے فارغ ہو کر زمین کر بلا پر گزرا، تو اُسے بھی خیال آیا، اور اُس نے زائروں کے مجمع کو نظر تحقق سے دیکھ کر اپنے وزیر سے کہا کہ یہ مشہور و معروف بات ہے کہ شہدائے راہ خدا کے جہنموں کی خود زمین حفاظت کرتی ہے اور حشر تک تمام جسم ان کے صحیح و سالم رہیں گے، جیسے زمین کے اوپر تھے۔ تو شیعہ ہے اور یہ اعتقادات حسین کی نسبت بہت کچھ ہیں اور واقعا حسین سے بڑھ کر کوئی شہید ہو بھی نہیں سکتا، اس لیے کہ حسین سب سے زائد مظلوم ہیں تین روز کے پیاسے ہیں، عزیزِ مژدہ ہیں، مسافر ہیں، رسول خدا کے نواسے ہیں حسین

کو تم نے حسین پر جان نثار کر کے کچھ دیر کے لیے امام کو بچالیا، اب وہ وقت ہے کہ تمھاری قبر بھی وہی کرے جو تم نے کیا تھا، حسین کی قبر کے عوض اپنی قبر کا کھولنا منظور کر لو، وزیر نے بادشاہ کی طرف رُخ کیا اور کہا اے بادشاہ عالم اللہ حسین کے پاش پاش جسم کو اب تو تکلیف نہ دے ارے امام عاشور کی رات کے جاگے ہوئے سو رہے ہیں۔ ذرا راحت لے لیجئے دے، اگر تجھے شہیدوں کا مرتبہ ہی دیکھنا ہے تو نبی کے نواسے کی قبر کی طرف نہ جا، یہ حسین کے ایک خادم کی قبر ہے، اسی کی حالت دیکھ کر اور شہیدوں کی حالت کا اندازہ کر لے، مجھے ڈر ہے کہ اگر حسین کی قبر کی مٹی ہٹائی گئی، تو کہیں دنیا کا صفحہ بھی نہ اٹ جائے۔ بادشاہ نے یہ منظور کیا، مزوور جمع ہوئے، اور قبر حضرت حمزہ کھدنے لگی۔ یہاں تک کہ تختے ہٹائے اور بادشاہ نے نظر کی، دیکھا کہ ایک زخمی شیر خوار بچہ کے زخموں سے چھدا پٹا ہے۔ چہرے کے گرد سیاہ اور گھنی دائرہ صلی حلقہ کئے ہوئے زخموں کے کناروں میں خون تازہ کی لکیر باقی ہے، سر میں ایک رومال بندھا ہے جس پر خون کے دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ وزیر نے بھی مجھک کر دیکھا اور تڑپ گیا، اور کہا اے بادشاہ تو نہیں جانتا۔ مگر میں جانتا ہوں۔ یہ رومال تو نے نہیں پہچانا، مگر میں نے پہچان لیا، یہ رومال وہ رومال ہے جس کا شوت سیدہ سہمی سیدانی نے فاقوں میں کاٹا اور بننا ہے یونیا سے جاتے وقت اپنی گود کے پالے حسین کو دے گئی تھیں، ارے اسی رومال میں حسین نے روز عاشورا اپنے چہرے کا پسینہ پونچھا ہے اور اپنے ہاتھ

عظمتِ اہلبیت معہ اصنافہ

مجموعہ تعادیر ثقت الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری فاتح ٹیکسلا۔
اس میں دس بصیرت افروز مجالس درج ہیں۔ کتابت و طباعت و کاغذ سفید و ملنے کا پتہ ۱۔ امامیہ کتب خانہ بصل بول۔ اندرون پوچی دروازہ لاہور

سے اپنے ہمان کے زخم سر میں باندھا ہے۔ بادشاہ کو خیال آیا کہ ارے تو کس خیال میں ہے، جو معلوم ہونا تھا وہ تو معلوم ہو گیا۔ اب قبر کے اندر کی مٹی تو لے لے کر خاک شفا جس کا نام ہے وہ یہی ہے اور یہ رسول خدا کی بیٹی کے ہاتھ کا بنا ہوا رومال نہ جانے پائے کہ اگر کفن کے ساتھ یہ ہوا تو تیری لاش بھی ہمیشہ یوں ہی باقی رہے گی۔ یہ سوچ کر خود شاہ اسماعیل قبر میں اترا اور آہستہ سے قدم حرہ پر بوسہ دیا اور خاک ہٹا کر رومال کی گرہ کھولی۔ ادھر رومال کھلا ادھر عاشور سے رُکے ہوئے خون میں جو ش آیا، اور لٹو کا دریا ابل کر چلا۔ بادشاہ جب تک قبر سے نکلے نکلے نصف کے قریب قبر خون سے بھر گئی۔ وزیر نے جو یہ حال دیکھا آواڑ دی، اے بادشاہ رومال باندھ دے۔ نہیں تو دنیا اس خون میں غرق ہو جائے گی۔ سچ تو ہے حرہ عاشق حسین ہے، اپنے آقا کے ہاتھ کا باندھا ہوا رومال کبھی نہ دے گا۔

گذر جانے کو بخش دے اور کافروں کی قوم پر ظفر و منصور فرما۔ خدا نے مقام
جزائیں انھیں ثواب دیا بھی دیا، اور آخرت کا بہترین اجر بھی مرحمت کیا
معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے سے خدا نے دنیا و آخرت
دونوں میں مالا مال کر دیا۔ غنیمت کے قابل ہے۔ اُن مجاہدین کی خوش قسمتی
جن کا ایت میں تذکرہ ہے، اور سبق آموز میں اُن کے افعال و اقوال
اگر دنیا کے شجاع معرکہ جہاد میں قدم رکھنے سے پہلے ان کی سیرت پر
ایک غائر نظر ڈالیں تو شکست کار و فرسایہ دیکھ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ
کامیابی کا انحصار ہے نصرتِ خدا پر اور اُس کی بے نیاز ذات سے۔
طالب مدد ہونا ممکن نہیں جب تک عمل میں خلوص نہ ہو، جب خلوص ہوگا
اُس وقت خدا یاد آ سکتا ہے، اور یادِ خدا کے بعد مدد کا نہ ہونا غیر ممکن۔
خدا پر حقوق ہیں ایمان والوں کے اور ان کی آوازوں کا سننا۔ جنابِ رسول
کا فرض ہے۔ امام محمد باقرؑ سے ایک شخص نے عرض کیا تھا، فرزندِ رسول خدا
پر مومن کا حق کتنا ہے۔ آپ کے سامنے ایک درخت تھا، اُس کی طرف اشارہ
کر کے فرمایا، کہ اگر وہ اس درخت کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہاں چلا آ
تو وہ درخت جگہ چھوڑ کر سامنے آجائے۔ ادھر امامؑ کی زبان سے یہ جملہ نکلا
ادھر شجر اپنی جگہ سے یوں چلا جیسے کشتی پانی کو کاشتی ہوئی بڑھتی ہے۔ یہ
نے فرمایا۔ پھر اپنی جگہ کلیٹ جا۔ راوی ناقل ہے کہ وہ درخت اسی طرح واپس
ہو گیا۔ میں نے قدموں کو جو ہم لیا اور عرض کی بے شک آپ حجۃ اللہ علی العالمین
ہیں۔ معلوم ہوا کہ بارگاہِ صمدیت میں اعزاز پیدا کر لینا چاہیے اُس کے بعد

گیارہویں مجلس امیر المومنین کی شجاعت اور حضرت علیؑ کی شہادت

قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ
رَاسِيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ وَمَا
كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَأَسْوَاقَنَا
فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ
الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

جنابِ رب العزت اپنے مبعجز ناکلام میں جو کچھ بھی فرما رہا ہے۔
اس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر نبی ایسے ہوئے جن کے ساتھ ہزار ہا لڑنے
والے تھے (صرف یہی نہیں) بلکہ خدا کی راہ میں جو اذیت بھی انھیں
پہنچی اُس سے سست نہیں ہوئے اور نہ اُن پر ضعف طاری ہوا۔
اور نہ دشمن کے مقابل میں کبھی عاجزی ظاہر کی وہ کچھ کہتے ہی نہ تھے سوائے
اس کے کہ پالنے والے ہمارے گناہوں کو معاف فرما ہمارے امر میں حد سے

بھی قطع نظر کیجئے، اس لیے کہ انھیں انتہائی تجربہ کار ہونا چاہیے اور اُن جناب کی عمر بھر کی معیت اس قدر قابل بنا چکی تھی، تو وہ مجاہد بھی دیکھنے کے قابل ہیں جنھوں نے ان کے شباب کے عالم میں ماتحتی میں جہاد کیا۔ اُس وقت بھی تعلیم کا وہ اثر رہا کرتا تھا کہ آج تک اُن کے نام صفحہ تاریخ پر باقی ہیں۔ شاید کوئی کہے کہ یہ رسولؐ کے اصحاب تھے جن کا میں نام لینے والا ہوں تو میں اسے مان لیتا، مگر میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس وقت انھیں اصحاب کی امارت علیؑ کے سوا کسی اور کو مل جاتی تھی تو اُس وقت میدان جنگ میں پہنچ کر کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ جیسے کیوں نہ پہلی ہی مرتبہ فتح ہو گئی جو دوسرے دن پھر شکست اٹھانا پڑی اور تیسری دفعہ بھی کامیابی نہ ہوئی۔ سبب فقط اتنا تھا کہ فوج کچھ نہیں کر سکتی، مگر اُس وقت جب سردار لشکر شجاع و بہادر ہو، اگر وہ بودا ہے یا فنون جنگ سے نااہل ہے تو فتح محال ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کیسے کیسے بہادر دشمن کے مقابلے کے لیے گئے مگر عام انسان فوج کی ماتحتی میں فتح و ظفر قریب نہ آئی تھی اور جب علمداری کے لیے علیؑ آجاتے تھے تو وہی فوج ہوتی تھی اور فتح گھیرے ہوئے معلوم ہوا کہ جس غزوے میں اہل اسلام مظفر و منصور ہوئے وہ اثر تھا انھیں کی علمداری کا، اور جب مسلمان دشمن سے سرخرو ہوئے انھیں کے حلقہ اطاعت میں آجانے کی جہت سے سرخرو ہوئے اور اگر کسی غزوے میں آپؐ کے قدم نہ ہوتے تھے تو پھر رسولؐ نَادِ عَلَیْہِمْ مَظْہَرِ الْعَجَائِبِ

آواز کا سمع قدرت تک پہنچنا آسان ہے جہاں اُس پر مومنین کی امداد ضروری ہے مَکَانَ حَقًّا عَلَیْکُمْ لَئِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا بِہِمْ ہَاں وہ رگ گردن سے زیادہ ہم سے قریب ہے مَحْنٌ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ مگر بیکار نہ والا ہونا چاہیے، وہ لبتیک کہنے کے لیے تیار ہے، شاید میں انھیں مجاہدین کا واقعہ بہترین ثبوت ہے کہ اس طرح سچے دل سے ان مجاہدین نے دعا کی تھی اور میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے اپنی خطا و لغو کا اعتراف کر کے عرض کیا تھا کہ ارباب کفر پر ہمیں فتح و نصرت دے کہ خدا نے نصرت کی اور فتح کا سہرا سروں پر باندھ دیا اور اس میں شک نہیں کہ اُس کی دی ہوئی فضیلت دنیا کی قوت چھین نہیں سکتی، اور کسی کے اتارنے سے اس کا دیا ہوا خلعت عزت اُتر نہیں سکتا۔ گورلے والے غم نہ رہے اور اُن کی دنیا سے گزر جانے کو صدیاں گزر گئیں مگر نام تو موجود ہے اور دنیا کی تیز و تند ہوا۔ اُن کے نقش قدم کو مٹا نہیں سکتی۔ وہ جہاد کا معیار قائم کر گئے۔ اُس پر عمل کرنے سے شکست منظور نہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کسی اعلیٰ درجے سے تعلیم یافتہ، اور فوج جنگ سے ماہر شخص کی عملی حالت پر مجاہدوں کو جس قدر سبق ملتا اُس کی حد میں امیر المومنینؑ کے مخصوص احباب و انصار میدان جنگ میں ہمیشہ کیوں کامیاب رہا کرتے تھے اور صفین و نہروان و جمل میں کیوں ان کے سروں پر فتح کا سہرا باندھا۔ صرف اتنی ہی بات تھی کہ علی ابن ابی طالبؑ سے آزمودہ کار کی تعلیم دی ہوئی تھی اور اس سے

پر تھے، اور ایک پوست پر لیٹے ہوئے تھے۔ محبت کرنے والا دل ہے
فتح کی خوشی تھی۔ مگر تلواروں کے گھاؤ جس وقت دیکھے تو رونے لگے، اور
امیر المؤمنین کو بھی رقت طاری ہوئی، لیکن ضبط کر کے خدا کا شکر کرتے
ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ میں شکر کرتا ہوں کہ لڑائی میں پیٹھ نہیں
پھیری، اور فرار نہیں کیا، مگر غم اس کا ہے کہ شہادت کے شرف سے
محروم رہا۔ یہی وہ وقت تھا کہ اس اسلامی مجاہد کے زخموں کی دوا کے
لئے ملک ان کی شان میں آیت لے کر آیا، اور رب قدرت نے ثنا و
صفت یوں شروع کی مَکَّائِیْنَ مِّنْ قَبْلِیْ ؕ اَب تَوْثَابَتْهُوَ اَکَ اَیْتِ
کی بیان کی ہوئی ہر ہر منقبت پر قبضہ علی کا تھا۔ یقین کے مصداق بھی
یہی اور ثبات قدمی بھی ان ہی سے مخصوص اور قوت بھی انہیں کی انبیازی
حقیقت لیے ہوئے، اور جنت پر بھی ان ہی کا قبضہ، اس لیے کہ قَاتِلُہُمْ
اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحَسَنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ اَیْتِ کا آخری فقرہ ہے
ان سب خصوصیتوں کو دیکھ کر ایک نتیجہ اور نکلتا ہے، وہ یہ کہ فتح کے
انعام میں مالک الملوک کی بارگاہ سے یہ تمغہ اخذیت ملا، جو ان
کے سوا کسی جسم پر زیبا نہیں، اور ان جناب کو ہر جنگ سر کرنے کے
بعد کچھ نہ کچھ بارگاہ ایزدی سے ملا کرتا تھا، جناب بدر میں جو سب سے
پہلی لڑائی تھی اور پہلا جہاد تھا تو غزاة قدرت سے ذوالفقار سی تلوار ملی
اسی طرح خیبر میں تھک اور حنین میں سیکینہ، اور فتح مکہ میں اپنے تئوں کو
قبضہ اور زیر پاہر نبوت، اتنے انعام ملے۔ مگر جب عمرو کو قتل کر کے پلٹے تو

کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے، اور فتح کے آثار اُفّ مذہب پر اسی وقت نمایاں
ہو جاتے تھے) جب دُبْرُ اللہ میدان میں پہنچ جاتے تھے۔ ان کے آنے کے بعد
مجاہدین کی رگوں میں غون دھڑنے لگتا تھا اور دلولہ جنگ دونا ہو جاتا تھا
خود فرماتے ہیں امیر المؤمنین کہ اُحد میں میرے جسم پر چار زخم ایسے لگے تھے کہ ہر
دفعہ میں زمین پر گر پڑتا تھا مگر ایک جوان خوشبو اور خوش رو میرے دونوں بازو
تھام کر اٹھاتا تھا اور کہتا تھا یا علی ان کا فحل پر حملہ کیجئے۔ آپ خدا اور
رسول کی اطاعت میں مشغول رہیں اور خدا و رسول دونوں آپ سے راضی ہیں
جب لڑائی ختم ہوئی رسالت مآب سے جا کر واقعہ بیان کیا، تو فرمایا خدا تمہاری
آنکھوں کو خشک کرے، وہ جبریلؑ تھے جو ہر مرتبہ بازو پکڑ کے سیدھا کر دیتے تھے
اس شان سے جہاد کیا اور غنوں جنگ سے دشمنوں کو شکست دی۔ اور
لسان اللہ کا نعرہ تکبیر فلک تک پہنچتا تھا۔ اور رسول کی دعا ملک پر پہنچی
اور یہ فقرات زبان پر آئے کہ میرے معبود تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے دین
کو تمام دینوں پر غالب کروں گا۔ اپنے وعدے کو پورا فرما۔

یہ اہتمام فتح کا ہو رہا تھا کہ بالائے ہوا سے کچھ آوازیں کان میں آنا شروع
ہوئیں، سر جو بلند کیا تو امین وحی کر سی طلا پر بیٹھے ہوئے چار ہزار ملک
ساتھ ساتھ لَا قُوَّةَ اِلَّا عَلٰی سَیْفِ الْاِذْقَا وَالْعَقَا کے نعرے لگا
رہے تھے۔ جنگ سر ہوئی اور فتح کا سہرا علیؑ کے سر رہا، اسلام
اور اہل اسلام دونوں خوش و مسرور۔ مگر جب رسولؐ کی نظر بھائی پر
پڑی تو جسم کو تلواروں سے محروم دیکھ کر روئے اتنے جسم بدن

خندق میں فتح کی خوشی میں رسولؐ پر جو ملک نازل ہوا تو ایک ترجیح لیے ہوئے اور عرض کیا کہ جناب رب العزت آپ کو سلام کہتا ہے اور پیام دیتا ہے کہ یہ بدیہ ہماری طرف سے علی ابن ابی طالبؑ کو دے دیجئے۔ ابھی جنگ کا پسینہ بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ رسولؐ نے بلوایا اور خدا کا بھیجا ہوا ترجیح پیش کیا۔ اس اتحاد سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں کام کرنا اس قدر قرب کا باعث ہے کہ پھر وہ تعلقات ہو جاتے ہیں جو باہم احباب بلکہ عاشق و معشوق میں ہوتے ہیں لیکن ثبات قدم شرط ہے اور غلو دل میں ہو اس وقت سچا مجاہد اور خدا کا محبوب کہا جاسکتا ہے۔ ترجیح کا رسولؐ کے ہاتھ سے جدا ہو کر دست علیؑ میں پہنچنا تھا کہ شوق ہو کر دو ٹکڑے ہو گئے اور حریر سبز کا ایک پارچہ نکلا، جس پر قلم قدرت سے دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ اسی طرح کہ حرفوں کی تری خشک نہ ہوئی تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی لکھا گیا ہے **هَدَيْتُهُ مِنْ اِلٰهِ الطَّالِبِ الْغَالِبِ اِلٰى وَلِيِّهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ ۲**۔ یہ سند اعزاز دیکھ کر دامن سے تمسک کرنے والے خوش و مسرور ہوئے اور دشمنوں کے رشک و حسد میں اور زیادتی ہوئی۔ بہر حال اچھی طرح ثابت ہوا کہ خدا انھیں ہر خدمت کے حصے میں ایک انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ بے مانگے ملتا تھا اور اگر سچے مانگتے تو نہ معلوم خدا و رسولؐ کی سرک سے کیا کچھ نہ ملتا۔ اس لیے کہ خدا کا خزانہ دینے سے ختم نہیں اور رسولؐ کا بحر عطا بھی خالی نہیں ہوتا۔ مگر جو کچھ ملا بے مانگے اور

جب جہاد کر کے آئے ایک تحفہ پیش کش۔ مگر میں آپ کو ایک زخمی مجاہد اور دکھاؤں۔ جو میدان سے جہاد کر کے آیا ہے اور رسولؐ کے نواسے سے کربلا کی بزم گاہ میں سوال آپ کرتا ہے **يَا اَبَتِ الْعَطَشِ يَا** پیاس ہلاک کئے دیتی ہے، اور گرانی آہنِ اذیت دیتی ہے۔ ایک جامِ پانی کا دے دیجئے۔ تاکہ میں دل کھول کر آپ کے دشمنوں سے لڑ سکوں۔ اب انصاف سے بتائیے علی اکبرؑ میں دن کی پیاس میں کاڑھیا کر کے آئے ہیں اور ایک جرعه آب کا سوال ہے جسٹین کہاں سے لائیں بیٹے کے غل میں ڈوبے ہوئے کپڑے دیکھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں فرماتے ہیں بیٹا پانی تو ممکن نہیں مگر میرے منہ میں زبان دے دو، شاید کچھ سکون ہو۔ علی اکبرؑ نے منہ میں زبان دی، فوراً نکال لی۔ کہا بابا آپ کی زبان میں تو میری زبان سے زائد کانٹے ہیں۔ فرمایا اچھا بیٹا جاؤ اب کی بار جنگ میں تمھارے دادا تمھیں جام کوثر سے سیراب کریں گے علی اکبرؑ نے آخری سلام کیا اور بڑھے، باپ کا دل ہے حسرت روتے لگے، اسی وقت سے علی اکبرؑ کی نزع کی صورت آنکھوں میں پھرنے لگی، اور آنسو کیوں نہ بھر آئیں، بیٹا بھی کون بیٹا جوان، اُس پر کئی بزرگوں کی نشانی، صورت و سیرت میں رسولؐ خدا کی تصویر، شجاعت و ہیبت میں علیؑ کی شبیہ جس کی دشمن تعریف کرتا ہے۔ معاویہ نے ایک دن دربار میں کہا کہ کیوں جانتے ہو، آج کل خلافت کا مستحق کون ہو سکتا ہے، لوگوں نے کہا کہ تو خدا ہے **قَالَ لَا فِی النَّاسِ بِهَذَا اَلَا مِرْعَانَ ابْنِ الْحُسَيْنِ** معاویہ نے کہا نہیں،

ایسا نہیں ہے، بلکہ خلافت کے لیے علی اکبرؑ سا جوان مناسب ہے اس لیے کہ باپ حسینؑ، دادا علیؑ، شجاعت بنی ہاشم کی ان پختہ سخاوت بنی مہینہ کی موجودہ حسن منظر میں فخر تہنیت، کیوں نہ ہو عالم میں ان کے سوا، رسولؐ کی تصویر کوئی نہ تھا، اور اسی کا اثر تھا کہ جب علی اکبرؑ طالب اذن ہوئے تو شہزادیاں بھیجے سے نکل آئی تھیں، اور پھر پھیاں میدان میں جانے سے مانع ہوئیں، اور علی اکبرؑ کو روکنا چاہا، اُس وقت تک بیسیاں بھیجے میں نہیں گئیں، جب تک سید الشہداءؑ نے نہ سمجھایا، کہ علی اکبرؑ عازم سفر آخرت ہیں، انھیں نہ روکو۔ یہ حالت تھی اہل حرم کی، اور سید الشہداءؑ قلب کی حالت حمید نے بیان کی ہے کہ جس وقت رخصت ہو کر شہزادہ میدان کی طرف چلا، تو امام حسینؑ پیچھے پیچھے کچھ دور تشریف لے گئے، یہ بھی دیکھا کہ امام حسینؑ حرم سرا سے آہ سرد بھرتے ہوئے نکلے، دونوں ہاتھوں سے کیلجہ تھامے ہوئے اس طرح کہ جتنا جتنا گھوڑا علی اکبرؑ کا تیز ہوتا جاتا تھا امام کی رفتار بڑھتی جاتی تھی اور سر آسمان کی طرف تھا، اور فرار ہے تھے۔

اللَّهُمَّ اشْهَدْ عَلَيَّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَقَدْ بَرَّزُوا إِلَيْكَ عُلَامَ أَشْبَهَ النَّاسِ خُلُقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُولِكَ يَا أَلْهَامَا كَوَاهِ رَسْنَا كَرَامِ مِيرَا وَه لَطَا جَانَا هُوَ بَرَّزَ رَسُولَ سَعْدَاتٍ وَسِيرَتِ وَرَقَاتٍ وَكُفَاتٍ مِيرَا مِشَابِهَ هُوَ۔ امام کا کلام ہے۔ رسولؐ کی گود میں پرورش پا کر بڑے ہوئے ہیں، ان کی گواہی ہے کہ علی اکبرؑ سے زیادہ مشابہ اور رسولؐ کی تصویر کوئی نہ تھا۔ اتنے مشابہ تھے کہ جب حسینؑ کا دل چاہتا تھا

کہ انہا کی زیارت کریں، بیٹے کو دیکھنے سے تمنا پوری ہو جاتی تھی، مگر یہی تصویر رسولؐ، آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے اور امام مفارقت سے بے چین ہو کر کبھی بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ علی اکبرؑ میدان میں پہنچے اور حلقہ کیا۔ تاریخ میں ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا، جیسے علی مرتضیٰؑ ذوالفقار لیے ہوئے صفین میں جہاد کر رہے ہیں جس طرف شاہزادے کا رخ ہو جاتا تھا صفین دشمنوں کی پرگندہ ہو جاتی تھیں۔ اور افواج کے پرے مثل گلہ گو سفند کے بھاگتے تھے۔ کیوں نہ ہو شیر گر سنہ کا حملہ ہے، ایک سو بیس پہلوانوں کو قتل کیا، آپ سے سچ کہتا ہوں کہ حسینؑ کی فوج میں ایک علی اکبرؑ کا وہ وجود تھا، اگر چاہتے تو دشمنوں کو پسپا کئے بغیر نہ رہتے۔ ان کی شجاعت کی حسینؑ فوج میں نظیر نہ تھی جناب شیخ جعفر طاب ثراہ صاحب فوائد الشواہد کا قول تھا کہ جتنے پہلوان علی اکبرؑ نے قتل کئے، اتنے امام حسینؑ کے سوا کسی نے قتل نہیں کئے۔ عزادارو! ضعیف باپ جوان بیٹے کی تعزیت کرنی چاہیے۔ ایام عشرہ قریب ختم ہیں۔ آج چھٹی تاریخ محرم کی ہوگئی۔ کوئی دقیقہ سید الشہداءؑ کو علی اکبرؑ کا پرستہ دینے میں اٹھ نہ رہے۔ رسم دُنیائے کہ جس کی اولاد دُنیائے سے گزر جائے۔ اُسے تسکین دی جاتی ہے، مگر سید الشہداءؑ کو کیا کہہ سکتے ہیں، اُن کا تو گھر دوپہر میں صاف ہو گیا۔ یہ بھی رسم دُنیائے کہ جس کا منہ زندہ بستر بیماری پر احتضار کے عالم میں ہو، تو پاس بیٹھنے والے اور اعزاء والدین کو آخری حالت دیکھنے نہ دیں، اچھا پھر ہم اور آپ اس خدمت کے انجام دینے

بارہویں مجلس

خدا کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

حضرت ابراہیمؑ اور امام حسینؑ کا مصائب

میں امتحان و صبر، اور شہادت علی اصغر علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْحَمِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

خداوندِ عالم اپنے کلامِ بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کسی کو طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا، اُس نے اچھا کام کیا تو اپنے نفع کے لیے، اور بُرا کام کیا تو اُس کا وبال اُس پر پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو امورِ غیرِ مشروع کی طرف راعب بھی نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم نے تمھارے چہرے پر روشن آنکھیں پیدا کر دیں تاکہ تم اچھے بُرے کو دیکھ سکو، ہم نے تمھارے سُسنے کو کان عطا کر دیے، ہاتھ تمھارے قابو میں دیئے ہیں، پاؤں تمھارے بس میں ہیں۔ اُس پر یہ بھی عنایت کہ ہم اتنا ہی بار ڈالتے ہیں کہ جتنا تم سے اُٹھ سکے۔ تم سے قبل جو قومیں گزر گئی ہیں وہ تم سے قوی تھیں۔ اس لیے اُن کے احکام بھی ویسے ہی سخت

کے لیے چلیں، مگر ہمیں زینت کے پہنچنے سے پہلے اپنے تئیں پہنچانا چاہیے
علی اکبرؑ نے جب گھوڑے سے گر کر آواز دی یا ابشاکہ اڈ میرا خلیفہ
حضرتؑ نے ایک صحیحہ کیا، آئے لاش پر، اتنی قوت کہاں کہ خود لاش
اٹھائیں اور دفن کیوں کر کر لیں جو ان کی لاش ضعیف باپ سے اٹھ سکتی
چند بچے جو قتل سے باقی تھے، ان سے فرمایا کہ تم لاش اپنے بھائی کی اٹھا
لاؤ، بیچئے پر وہ خیمے کا اٹھا اور شاہزادی و ائمہؑ فواداۃ و علیؑ
اکبرؑ و مکتی ہوئی چلیں۔ سید الشہداءؑ جو ان بیٹے کا مرنہ قبول گئے، عبا کا
سایہ کر لیا اور بہن کو سمجھاتے ہوئے لے آئے۔ امامؑ تو اصرار کرتے اور دھرم
پتھوں کا قتل عام ہو گیا۔ ایک شقی نے دوسرے عبد اللہ ابن مسلم کی طرف ایک
تیر پھینکا، اس بچے نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا۔ ہاتھ اس
بچے کا پیشانی میں دوختہ ہو گیا۔

کسی نے محمدؐ ابن عبد اللہؑ پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا، ہائے ہانی ابن
بُعِیث ملعون نے بڑا غضب کیا۔ جھپٹ کر ایک بچے کو اس کی ماں کے
سامنے ذبح کر ڈالا۔

أَلَا نَعْتَدُ اللَّهَ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
فَمَسِيَعُ الْعَالَمِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ هـ

تھے۔ مثلاً دن رات میں پچاس رکعت کی نماز، نجس پانی کا قطرہ پڑ جائے
سے کپڑے کا ظاہر نہ ہو سکتا، اور اتنے معصوم سے کتر و ڈانٹنا،
تیمم سے کسی حالت میں نماز جائز نہ ہونا، بغیر مسجد کے کہیں نماز ادا نہ کر سکتا
کوئی پوشیدہ گناہ کرنا اور اس کی علامت چہرے پر ظاہر ہو جانا، کوئی
شرک گھر میں چھپ کر کرنا اور دروازے پر اس کا تحریر ہو جانا، یہ باتیں
جب تمہارے قابل برداشت نظر نہ آئیں تو تمہیں رحمۃ اللعالمین، شافع
روز جزا محمد مصطفیٰ، سارے رسول دے کر ان کی برکتوں سے یہ رحمتیں اٹھالیں۔
ان سب نعمتوں پر بھی اگر تم خلاف حکم کام کئے جاؤ گے، اپنے کئے کی مراد پوچھو
واقعاً خدا کے دامن رحمت کی ہوا بہت خوش گوار ہے۔ رحمت خدا کی ہمارے
کی بخشش کا سہارا ہے۔ رحمت کے دریا کا قطرہ بڑے بڑے گناہوں کے
دفتر کی سیاسی کو دھو سکتا ہے۔ یہ ہماری فاش غلطی ہے کہ ہم اس کے
احکام پر نظر نہ کریں اور یہاں رحمت پر رحمت، تم کو بنایا بھی، اختیار بھی
دیا کہ جہاں چاہو رہو، جو جی چاہے کرو۔ تمہارے ان اعضا کو جن پر ہم
کو پورا پورا اختیار ہے۔ تمہارے قبضہ میں دے دیا، اچھے کام کرو گے
تو یہ تمہارے حکم کے تابع ہیں، برے کام پر رغبت کرو گے تو یہ تمہارا ساتھ
دیں گے، مگر خیال کرو تو تمہیں فعل زشت کرنا ہی نہ چاہیے۔ اس لیے کہ
تم بے بس نہیں ہو، تم پر ناقابل برداشت بوجھ نہیں ہے، اگر امتحان آباد
حالم کا دائرہ تم پر تنگ بھی ہو، جب بھی احکام کی پابندی لازم ہے اس لیے
کہ خدا قوت سے زائد تکلیف دیتا ہی نہیں۔ اگر دیکھا جائے تو خدا کی رحمت

کی انتہا ہی نہ نظر آئے گی۔ دنیا کے طبائع سے واقف خدا نے مسلمانوں
کی صفوں میں وہ سردار بھیجا جو خود بھی اس دستور العمل کا پابند تھا۔ خدا
چاہتا تھا کہ دنیا اس کی پیروی نہ جائے بغرض جس کو جس قدر تکلیف کا متحمل
پایا، اس کا امتحان اتنے ہی مصائب سے لایا گیا اور امتحان میں کامیاب
ہونے کے بعد ویسا ہی مرتبہ بھی بڑھایا گیا حضرت ابراہیمؑ کو خلعت کا مرتبہ
ملا، مگر انھوں نے دنیا کی آلائش سے دل کا تخلیہ کر لیا۔ نمرود کے سامنے
بیٹھے ہوئے ہیں اور قصر کے آگے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اپنے
کانوں سے سن رہے ہیں کہ منجنيق میں رکھ کر اس آگ میں پھینکے جائیں گے
مگر چہرے پر ہر اس کا نام نہیں منجنيق میں رکھ کر آگ میں پھینکا، اور
آپ جلا دینے والے شعلوں کی طرف چلے، یہ وہ وقت تھا کہ اپنے تن کا
آپ ہوش نہ تھا۔ نہ کہیں، ہاتھ نہ کہیں، پاؤں نہ کہیں۔ مگر دل کا قطب پنی
جگہ پر کھینچا ہے۔ چرخ الہک گریشیں دکھائے، مگر ثابت قدم اپنی جگہ سے
کب ملتے ہیں۔ ہوا میں جبریل آئے اور کہا کہ اے خلیل اللہ قریب ہے تم
آگ میں گرو، اگر تم سے کوئی خواہش ہو تو رہبان کرو۔ آپ نے فرمایا خواہش
تو ضرور ہے مگر تم سے نہیں اور جس سے ہے وہ خوب واقف ہے جبریلؑ
واپس ہو گئے ادھر شعلوں کے لرزے ہوئے ہاتھوں نے حضرت ابراہیمؑ
کے جسم کو آگ میں پہنچایا، ادھر دریائے رحمت الہی کے جوش نے
بھڑکتی ہوئی آگ کو چھینٹے دے کر لالہ زار کا لہلاہا مٹوا تنہا بنا دیا۔ جب
ایسے امتحان میں ثابت قدمی دکھائی تو خلیل اللہ کا لقب دے کر عزت

اور مرتبہ بھی دوبالا کر دیا۔
 کسی راوی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ اے وارثِ خلیلؑ
 وکلیتم اس راز سے آگاہ فرمائیے کہ موسیٰ کا عصا اثر در بنا تو انھیں خوف
 معلوم ہوا، اور حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینکا تو ان کی پیشانی پر یل نہیں
 آیا حضرت نے فرمایا کہ تو جاننا ہے کہ تم اور رسول خدا ابراہیمؑ سے میں
 جب موسیٰ کا عصا اثر در بنا تو انھیں خوف مرگ ہوا، اور جب ابراہیمؑ آگ
 کی طرف چلے تو وہ جانتے تھے کہ میری نشت پناہی کو تو خداوند علی ہے میں
 کیونکہ جل سکوں گا۔ کائناتش نمود کا چراغ گل کرنے کو دنیا کے دریا کافی تھے۔
 حضرت کے ساتھ تو رحمت خدا کے تین بین دریا تھے، فضل خدا شامل حال،
 محمد مصطفیٰ و علی مرتضیٰؑ ہمراہ انھیں ڈہری کیا تھا۔

العرض جس طرح اور انبیاء و اوصیاء کا امتحان ہوا۔ اسی طرح حسینؑ
 غریب کا بھی امتحان ہوا۔ مگر معاذ اللہ امتحان سا امتحان ہوا، دنیا کے
 مصائب ایک جگہ جمع ہو گئے، غریب الوطنی، بچوں کا ساتھ، گرمی کے
 دن، دریا سے کنارہ، پانی بند، اس پر دولت اولاد کا ضائع ہونا، بھائیوں
 کی جدائی، بہنوں کی فرقت، مگر استقلال بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جب
 کوئی تازہ مصیبت پڑتی ہے۔ چہرے کی چمک دمک بڑھ جاتی ہے،
 درگاہِ خدا میں جس چیز کی طلب ہوئی، لے کر حاضر ہو جاتے ہیں جس میں پیدل
 جانے کی طاقت ہوتی ہے وہ پیدل جاتا ہے، جو گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہے
 وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھتا ہے، جو خود سے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا

اُس بچے کو خود امام بازو تھام کر سوار کر دیتے ہیں، اور جو پیدل جانے کے
 بھی قابل نہیں، مرکب پر بھی نہیں بیٹھ سکتا اُس کو حسینؑ ہاتھوں پر لے کر
 آ رہے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ خداوند ایہ میرا آخری ہدیہ ہے، حسینؑ کی آخری
 چھ مہینے کی کمائی بھی تیری درگاہ میں حاضر ہے۔ بس آج میں اس شاہزادے
 کی حالت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس مجمع میں صاحبان اولاد بھی موجود ہیں
 اکثر وہ لوگ ہیں کہ جن کے ماشار اللہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں گے۔
 بھلا دل پر ہاتھ رکھ کے کہیں کہ جس وقت بچے کسی تکلیف کے سبب
 روتے ہیں تو دل پر کیا گزرتی ہے۔ لوشیعہ! حسینؑ رخصت آخر کو نعیم میں
 تشریف لائے، ادھر در دولت پرستائا ہے۔ نہ جان شارول کی آوازیں
 ہیں، نہ شیران ہاشمی کے نعرے ہیں، اشقیا چارول طرف سے سمٹ کر
 جھپوں کے قریب آ جاتے ہیں، یہاں دولت سرا میں سیدنا بال کھولے
 چہروں پر خاک ملے امامؑ کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں، مظلوم آقاؑ بیچ میں تشریف
 فرما ہیں، بہن نے مسند چھا دی ہے، سامنے کھڑی ہوئی، حسرت بھری نگاہ سے
 صورت دیکھ رہی ہیں، کہ ایک مرتبہ امامؑ نے سر اٹھایا۔ فرمایا بہن! اسیری
 کے لائق کپڑے پہنو، اس کے بعد امامؑ نے اپنے لیے بھی کپڑے طلب کئے
 جناب زینبؑ گئیں پوشاک لے کر حاضر ہوئیں۔ آپ نے غور سے
 ملاحظہ فرمایا۔ کہا بہن یہ تو تنگ ہے ذرا اس سے ڈھیل پوشاک ہو جانا۔
 زینبؑ نے وہ کپڑے اٹھالے۔ دوسرے کپڑے لے کر حاضر ہوئیں، امام
 نے دیکھا پسند فرمایا۔ جگہ جگہ سے چاک کیا۔ یہ کیوں، اس واسطے، کہ غیرت

آکر دو ٹونہیں پانی کی پلا دو۔ جب اس کلام کا جواب نہ ملا تو پھر گود میں لے کر بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے باپ کی جان، اب حسین مجبور ہے میرے سوال کو یہ لوگ قابل جواب نہیں جانتے، اچھا تم بھی تو حجت خدا کے فرزند ہو۔ اپنی پیاس ان پر ظاہر کر دو۔ امام کا حکم ہے، علی اصغرؑ نے ڈھلی ہوئی گردن سیدھی کی۔ ہمک ہمک کر اپنے ہمارے کو فوج کے سامنے کیا اور ایک حسرت بھری نگاہ سے دیکھ کر دیکھتے ہوئے شوکے ہوئے پر زبان پھیرنے لگے۔ اولاد والو! دشمن کا لشکر تھا۔ مگر دل دلے کیلئے پکڑ کے بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا ہاں واقعی حسین سچ تو کہتے ہیں، اس بچے نے تو کچھ تصور نہیں کیا ہے۔ عمر سعد نے جو لشکر کی یہ حالت دیکھی، متوجہ ہوا حرمہ کی طرف، کہا کیا دیکھتا ہے اقطع کلام الحسینؑ کلام حسینؑ کو قطع کر دے۔ اس شقی نے ایک تیرسہ شعبہ حملہ کمان میں جوڑا ابھی سی گردن اس بچے کی تاکی، لو شیعوں پر چلے سے چلا، کون تھا جو اس وقت کہتا کہ اوٹھی ارے کی غضب کرتا ہے، یہ علی اصغرؑ کے گلے پر نہیں۔ بلکہ سیدہ کے کیلئے پر پڑے گا۔ تیر گلے پر پڑا، سچے امامؑ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔

برگشتہ شاہ علی اصغرؑ ناداں جان داد
تیرسہ شعبہ کجا گردن بے شیر کجا

اس گرمی میں حسینؑ بیٹھے بیٹھے کی قیر تیار کر رہے ہیں، کہ شیطان نے درگاہ خدا میں عرض کی، کہ خداوند بے شک حسینؑ صابر ہیں، اور اس

دار آقا کو گوارہ نہ تھا کہ لاش جلتی زمین پر غریاں رہے۔ مگر وہ کپڑے بھی اشقیانے نہ چھوڑے۔ غرض کہ امام سب سے نصحت ہوئے، بیمار کر بلا کر اپنا وصی وجانشین کیا جاتے تھے کہ جلیں، اتنے میں علی اصغرؑ کے رونے کی آواز کان میں آئی۔ فرمایا بہن علی اصغرؑ کو لاؤ۔ اس سے بھی نصحت ہو لوں جناب زینبؑ تکیں علی اصغرؑ کو لا کر امامؑ کی گود میں دے دیا، ملایا تو تھا حضرت نے نصحت کرنے کو، مگر علی اصغرؑ کی حالت دیکھ کر دل کو تاب نہ رہی، کیلجہ سے لگایا، اپنی عبا کا سایہ کیے ہوئے خیمے سے باہر نکلے مگر اللہ نے محبت کا جوش، کہ تلواروں کے سائے میں لے چلے ہیں مگر دھوپ کے خیال سے عبا کا سایہ کئے ہوئے ایک بلندی پر تشریف لے گئے۔ ادھر لشکر عمر سعد میں اختلاف ہوا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ کوئی بزرگ شے لاتے ہیں، کوئی کہتا ہے قرآن ہے، مگر یہاں امامؑ نے قبا کا دامن ہٹایا بچوں کی طرح مڑھ جائے ہوئے بچے کو ہاتھوں پر بلند کیا، گویا مراد حضرت کی یہ تھی کہ خداوند حسینؑ کے خزانے میں اس ایک ہدیہ کے سوا، اب کچھ نہیں ہے، مگر یہ سب تیری درگاہ میں نذر ہے۔ اس کے بعد حضرت متوجہ ہوئے لشکر کی طرف، فرمایا اے اہل کوفہ و شام اگر حسینؑ مختار نزدیک گنہ گار ہے تو اس بچے نے کیا قصور کیا ہے، اس کو تھوڑا سا پانی پلا دو، کہ دودھ تک اس کی ماں کا خشک ہو گیا ہے، اگر تم کو یہ خیال ہو حسینؑ بچے کے بہانے سے خود پینے کے لیے پانی مانگتے ہیں تو لو یہ بھی منظور ہے جلتی زمین پر اس معصوم کو لٹائے دیتا ہوں، تم خود

تیرھویں مجلس

احسان کی تعریف - امام حسین علیہ السلام کا احسان

زوجہ محرم کا کھانا کھلانا

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ أَفَمَنْ يُلْعَلُ أَنَّمَا أُُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ مَلَكُنْ
هُوَ أَعْمَى مَرَاتِمَا يَتَذَكَّرُ أُولَؤُلَا الْكُنَابَةِ الَّذِينَ يُؤْفُونَ
بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِمْ أَنْ يُوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ
سُوءَ الْحِسَابِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَ
عَلَانِيَةً وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَئِكَ
لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ

خداوندِ عالم قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے کہ کیا جو
شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل
ہوا ہے بالکل سچ ہے اس شخص کے برابر تم ہو سکتا ہے جو مطلقاً اندھا ہے
ہرگز نہیں اس سے تو کچھ سمجھا رہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں یہ لوگ

بیکس سے بڑھ کر کوئی صابر نہیں۔ مگر جب مزاحمتا کہ اس پیاس میں
آفتاب کا رخ حسین کی طرف کر دیا جاتا۔ اندر رخ حسین کا صبر کہ
امتحان لینے والا خود خنجر کرتا ہے۔ نہ آئی کہ اسے بدترین خلقت اچھا
تو بھی حسین کا صبر دیکھ لے، آفتاب کا رخ پھیر دیا۔ ادھر حسین نے
بند کیا کھولے اور سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ یہ وہ حالت تھی کہ انبیا
کی ردعمل میں رونے کا شور بلند ہوا۔ اب جبریل نے جو بچپن کے
خدمت گاروں میں ہیں، گودیوں میں کھلایا ہے گوارہ جنابانی بھی
کی ہے، لوریاں بھی دی ہیں۔ زہرا کی طرف سے چلی بھی پیسی ہے
کہ حسین، ماں کی گود میں آرام پائیں، یہ حالت دیکھی تو بے اختیار
عرش سے چلے، اور اپنے پروں کو امام کے سر پر کھول دیا۔
نے نظر اٹھائی، کہا اے جبریل ہٹ جاؤ، یہ امتحان کا وقت
ہے۔ دخل نہ دو۔ چند لمحے زندگی کے اور باقی ہیں، وہ بھی خدا
کی مرضی میں ختم ہو جانے دو۔

مقامِ اہلبیت معہ اصنافہ

مجموعہ تقریر ثقہ الاسلام علامہ الحاج محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری فاضل تفسیر
اس میں دس بصیرت افروز مجالس درج ہیں۔ کتابت و طباعت کاغذ سفید عمدہ۔
ملنے کا پتہ: امیکہ، کتب خانہ منگل حویلی، اندرون موجید وارہ لاہور

وہ ہیں کہ اپنے پروردگار سے جو عہد کیا اُسے پورا کرتے ہیں اور اپنے
 بیمان کو نہیں توڑتے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے تعلقات قائم رکھنے کا
 حکم دیا گیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے
 رہتے ہیں اور قیامت کے دن بُری طرح حساب کئے جانے سے خوف
 کھاتے ہیں اور وہ لوگ اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض
 سے جو مصائب اُن پر پڑے انہیں جھیل گئے، اور پابندی سے غار
 ادا کی، اور جو کچھ ہم نے انہیں روزی دی اس میں چھپا کر اور دکھا کر
 خدا کی راہ میں خیرات کیا۔ یہ لوگ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں یہی
 لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کی خوشی مخصوص ہے۔

بُرائی کو بھلائی سے دفع کرنا یہ لفظی ترجمہ ہے، اس کا اصل مطلب
 یہ ہے لَا يُقَالُونَ الشَّرَّ بِالْشَّرِّ بَلْ يُقَالُونَ الشَّرَّ بِالْخَيْرِ۔ بدی
 کا جواب بدی سے نہ دیا جائے۔ بلکہ بدی کا جواب نیکی سے ہے اور اس
 طرح بُرائیوں کو نیکیوں سے دفع کرے، میرے خیال میں اس صفت کا
 موصوف جس نام سے پکارا جانا چاہیے، وہ اہم محسن ہے اور احسان
 ایک قوت ہے جو زبردستوں کا سر جھکا دیتی ہے۔ احسان ایک روشنی
 ہے جو کم بصیرت اصحاب کی رہبری کرتی ہے۔ دُنیا سے بے وفائی اور
 کج ادائی ممکن الوقوع ہے لیکن اگر نہیں دیکھی تو شریف احسان مند سے اللہ
 جاتے وہ لوگ کیسے دل والے اور کس طرح کے خیالات رکھنے والے ہیں
 جو اپنی سپر کو آپ توڑ ڈالتے ہیں، اور پھر کوئی افسوس و رنج نہیں ہوتا۔ احسان

کی یہ خاص صفت ہے کہ مُرید نہ ہونے والوں کو اپنا مُرید کر لیتا ہے۔ مادہ
 احسان محسن میں تو صرف ایک صفت ہی کی حیثیت سے ہوتا ہے لیکن دُنیا
 کے لیے کہیں دوست ہے کہیں عزیز، کہیں دولت ہے، کہیں سیر ہے،
 کہیں تلوار۔ احسان کے معنی نگہبانی کر دینے کے ہیں۔ مادہ احسان قریب قریب
 ہر ذل میں ہوتا ہے۔ لیکن صورتیں جدا گانہ ہوتی ہیں کہیں تو محض خلوص سے
 ہوتا ہے کہیں دُنیا کے دکھانے کو، اور محسن عالم کا لقب لینے کو لیکن کوئی
 صورت بھی کیوں نہ ہو جرات لازمی ہے۔ احسان نہیں کر سکتا مگر وہی
 شخص جو با حوصلہ و جرات ہو اور اگر جرات کر کے احسان کر گیا تو
 احسان مند غلام بے زہر ہیں۔ اسی سے ایسر المؤمنین کا قول ہے کہ وہ کون
 لوگ ہیں جو غلام لے کر شہرت کے لیے آواز کرتے رہتے ہیں، وہ یہ کیوں
 نہیں کرتے کہ احسان کر کے آزادوں کو غلام بنالیں۔ قول لا جواب ہے
 کہ اس پر عمل کرنے والے کم دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں باپ کے قول چسپین
 نے پورا پورا عمل کر دکھایا، اور ایسا ہی احسان کیا کہ جو اسلام رکھتا ہے وہ
 چسپین کے نام کا طوق غلامی پہنے ہوئے ہے۔ مگر چسپین کے احسانات بھی
 بے تعداد احسان تھے۔ علاوہ اس کے کہ جنت کو ہماری جاگیر کر گئے
 ہمارے پسندیدہ مذہب میں بھی چسپین رُوح چھوٹا کر گئے۔ ورنہ سلسلہ
 میں اسلام کفار کے ہاتھ یک چکا تھا اور آج کوئی اسلام کا نام لینے والا
 بھی نظر نہ آتا۔ اس جہنستان اسلام کو اپنے اور اپنے عزیزوں کے غم سے
 سینچ سینچ کر پھر تروتازہ کر دیا۔ چسپین ہمیشہ سے احسان پسند تھے، آپ کا دل

درد مندوں کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔ وہی مثل ہے کہ قدسی دیکھ کر جامہ بیوتا جاتا ہے۔ خدا نے امام کا نام رکھا بھی تو ایسا کہ جس کا مادہ ذوالاحسان ہے، اور خدا کا نام رکھنا اور اپنے نام سے مشتق کر کے رکھنا تعجب خیز نہیں ہے۔ اس لیے خدا فرماتا ہے

خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جب خدا نے حبیب کو عالم وجود میں لانا چاہا تو ایک کلمہ سے حکم فرمایا اور نور محمدی ستارہ عرش ہو کر چمکا۔ اس نور کے دو حصے کیے، پہلا حصہ نور محمد تھا اور دوسرا حصہ نور علیؑ یہی معنی اَنَا وَ عَلِیٌّ ثَمَنٌ ثَمَنٌ وَاحِدٌ کے ہیں۔ اس کے بعد نور رسالت سے کچھ نور شریعتیں الگ کی گئیں اور وہ نور شریعت روز جزا جناب فاطمہؑ زہرا کا تھا اور علیؑ کے نور سے دو نور اور خلق کے ایک کا نام حسنؑ اور دوسرے کا نام حسینؑ رکھا۔ اس کے بعد خدا اپنے رسولؐ سے مخاطب ہوا اور فرمایا کہ اے میری محبوب ترین خلقت صفت اول تم ہو لیکن ابھی تمہارا مرتبہ اور بڑھانا ہے۔ لہذا ہم بچپن کے نام بھی دے دیے ہیں جو ہمارے ناموں سے مشتق ہوں۔ یسویہارا نام محمود ہے اور تمہارا نام محمدؐ اور ہم اعلیٰ ہیں اور تمہارا بھائی اور وصی علیؑ۔ ہم فاطمہؑ سموات میں اور تمہاری بیٹی فاطمہؑ اور ہم محسن ہیں۔ تمہارا بڑا نواسا حسنؑ، اور ہم ذوالاحسان ہیں اور تمہارا چھوٹا نور نظر حسینؑ اور حسنؑ وہ نام ہے جو محسن سے نکلا اور حسینؑ کا مادہ ذوالاحسان ہے۔ اب اگر سبطین رسولؐ محسن عالم ہوں تو اور کون ہو سکتا ہے۔ امام حسنؑ نے تو یہ احسان کیا کہ عراق و حجاز کو صلح

کر کے خون بہنے سے بچالیا۔ اور حسینؑ نے وہ غریبی کی راہ اختیار کی تھی تاکہ نہ تو خون ہی بہے اور نہ ہزاروں اور لاکھوں جانیں ہی جائیں۔ اور پھر جو مقصود ہے وہ پورا بھی ہو جائے۔ حسینؑ کی یہ فطرت تھی کہ آپ اگرچہ کسی ہی مصیبت میں کیوں نہ پڑ جائیں لیکن احسان کے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دنیا والے، بادشاہوں اور حاکموں سے خوف کھایا کرتے ہیں مگر حسینؑ کو کیا پڑی تھی جو آپ ڈرتے، حضور تو دنیا کو چھوڑ چکے تھے۔ اصل یہ کہ حسینؑ ایک ایسی ذات کی ہیبت سے دل کو متاثر کر چکے تھے جس کے بعد دنیا کا خوف نگاہوں میں سما ہی نہ تھا اور جبرأت تو حسینؑ کا خاص حصہ تھا۔ ایک طرح نہیں کسی طرح سے آپ کا حق بھی تھا خود فطر تا جبری امیر المومنین سے بہادر کی جبرأت کے وارث، رسول اللہؐ کی جبرأت بھی میراث میں ملی تھی اور خود رسول خدا بھی دے گئے تھے اور فاطمہؑ نے بھی سفارش کر کے حسینؑ کو دلا دی تھی۔ اس روایت کے مطابق جب وقت آخر رسالت مآب فاطمہؑ حسینؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئی ہیں اور عرض کی ہے کہ بابا آپ تو دنیا سے سدھارنے میں اور ہمیں مظلوم کئے جاتے ہیں۔ کچھ انھیں بھی دیتے جیسے، آپ نے عرش سے آنکھیں کھولیں اور دونوں فرزندوں کو محلے سے لگا کر فرمایا کہ اے فاطمہؑ! تو ہم نے اپنی سیادت و خلق حسنؑ کو دیا اور اپنی جبرأت و حلم حسینؑ کو حسینؑ کی وہی جبرأت ہر موقع پر کام آیا کی ہے اگرچہ بعض مواقع پر صاحب جبرأت ہو کر بھی جبرأت نہیں دکھائی

جاسکتی، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ دشمنوں میں اکیلا ہو۔ اُس جگہ پر اپنی ہی کسے جانا مشکل ہے اور اگر دشمن قوی ہو اور اُس کے ہمراہی اپنے ساتھیوں سے زائد ہوں تو اور بھی دشوار ہے اور اگر کوئی بڑا کسی مصلحت سے دشمن کی بات مان رہا ہو، تو صاف صاف کہنا بچہ مشکل ہے اور اگر وہ بزرگ بڑا بھائی ہو اور باپ کی جگہ ہو تو نہایت دشوار اور بچہ مشکل ہے اور اگر وہ بڑا بھائی امام بھی ہے اور مصلحت سے اپنا ہاتھ نہیں دے سکتا تو پھر اس وقت کی حد نہیں ہے مگر حسینؑ اپنی فطرت کو نہ بدل سکتے تھے۔ اپنی اعلیٰ جرات کا تھوڑا سا نمونہ دربار معاویہ میں دکھا دیا، امام حسنؑ صلح کر رہے ہیں اور شرائط صلح پیش ہیں۔ آپ دستخط فرما چکے ہیں کہ معاویہ نے امام حسنؑ کے دستخط لینے کے بعد مجمع پر نظر کرتے ہوئے حسینؑ کی نظر میں جمادیں کہ ہاں تم بھی دستخط کر لو۔ بس حسینؑ دشمنوں سے بھرے ہوئے دبا میں تلوار پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے امام حسنؑ نے بھائی کی تلوار تمام لی اور کہا، معاویہ مجھ سے تیری صلح ہو رہی ہے حسینؑ کو نہ چھیڑ کہ حسینؑ کی خود داری ایسی نہیں ہے۔ اللہ جلنے اس تمنا تے ہوئے چہرے کا رعب کس بلا کا تھا کہ معاویہ بھی دم بخود رہ گیا۔ امام حسینؑ کا بیعت نہ کرنا۔ اسی احسان کی ابتدا تھی جس کا طوق غلامی اسلام کی گردن سے حشر تک نہیں اترے گا اور پھر ایسا احسان کیا ہے جو احسان کرنے کا حق تھا وہ احسان کیا جو احسان کے معنی تھے فارغ البالی یا امیری میں احسان کرنا کوئی چیز نہیں ہاں احسان وہ ہے کہ جب محسن اپنے حق سے محروم کر دیا جائے تو دوسروں کو بخشے اور عفو کرے

حسینؑ نے سینکڑوں احسان اسی قسم کے کئے ہیں۔ اگر امیر المؤمنینؑ نے ابن ملجم کو اس کے ظلم کرنے کے بعد جام شیر عنایت کیا ہے تو حسینؑ نے بھی قبل ظلم ستم کو ٹھنڈا پانی پیلا دیا ہے۔ یہ وہی شمر ہے جو گلے پر خنجر رکھے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اے حسینؑ اگر تمام دنیا پانی پانی ہو جائے تو بھی ہم ایک قطرہ پانی کا تم کو نہ دیں گے۔ درآں ایک سبط رسولؐ و ابن رسولؐ و وسید آقا و رحیم و کریم ہونے کے علاوہ حسینؑ مہمان بھی تھے۔ حسینؑ بے بلائے نہیں آئے تھے جب سات سو خطائے ہیں تو حسینؑ مجبور ہو کر گھر سے نکلے ہیں، اور مہمان کے لیے رسولؐ کا حکم ہے اَلْمُؤْمِنُ الضَّيْفُ وَ لَوْ كَانَ كَافِرًا۔ اہل کرام کرو مہمان کا اگرچہ کافر بھی ہو، مہمان اس حدیث سے میزبان پر ایک حق رکھتا ہے اگر کوئی مہمان کو کھانا اور پانی نہ دے تو یقیناً اُس نے مہمان کے حق کو تلف کیا۔ اس لیے دوسرے مقام پر تاکید پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جلدی کرنا کسی کام میں مناسب نہیں۔ مگر تین کاموں میں جلدی کرو۔ نمبر ۱ دشمن کو اس کے ثواب کے نزدیک جلد پہنچاؤ۔ نمبر ۲ میت کو قبر میں جلد رکھو، جلدی دفن کرو۔ نمبر ۳ مہمان کے آگے کھانا جلد لاؤ تاکہ دیر ہونے سے مہمان پر تکلیف نہ ہو، مہمان یہ نہ سمجھے کہ میں اس پر گراں تھا یہ خیال تک نہ گزرے کہ میزبان نے اپنے دسترخوان پر میرا حق نہیں بچھا مگر حسینؑ کے ساتھ تمام مکروہ باتیں عمل میں لائی گئیں، ہر طرح سے مظلوم کا حق پامال کیا گیا۔ رسولؐ خدا چاہتے ہیں کہ تاخیر وقت سے مہمان پر تکلیف نہ ہو، اور یہاں کو فیوں نے بلا کے اس تاخیر سے

کھانا بھیجا کہ حضرت حسینؑ دوسری کو کر بلا میں آئے اور عاشور کی شام کو کھانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ مہمان کا ایسا حق غضب کیا ہے کہ کوئی مزدور بھی جلنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کون لے جائے، کون صورت دکھائے، آٹھ روز کھانا نہیں گیا ہے، اب کون لے جائے، لوگ پوچھتے پھرتے ہیں کہ اتنے بڑے لشکر میں کوئی ایسا ہے کہ ان بقیۃ السیف مہمانوں کے لیے کھانا لے جائے اور کوئی بلاضی نہیں زوجہ سناں سے کہا تو لے جا، اُس نے کہا انکار تو نہیں، لیکن میرے شوہر نے سیلی کے اٹھارہ برس کے شیر کا کلیجہ میں دن کی ٹھوک اور پیاس میں ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ زوجہ حمرلہ سے کہا تو لے جا، اس نے کہا کہ میں تو اور بھی صورت دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔ چھ مہینے کے بچے کا حمرلہ نے پانی مانگنے پر گلا چھید ڈالا۔ زوجہ ستر سے کہا، اُس نے کہا ارے زینب! مجھ سے نہ پوچھیں گی کہ بھائی کو پانی پلا کر ذبح کیا یا بغیر پانی پلائے پیاسے مہمان کو ہلاک کر ڈالا۔ آخر زوجہ ستر تجویز ہوئیں اور وہ مہماندار کی کا کھانا جس کا دوسرا نام حاضری بھی کہا جاسکتا ہے لے کر چلیں یہاں رسولؐ کے گھرانے کے مہمان عجیب تکلیف سے بیٹھے ہیں، نہ مڑوں پر سایہ کرنے کو خیمہ ہے نہ پردہ داروں کی پردہ داری کے لیے چلنیں ہیں، ایک جلی ہوئی قنات کی آڑ ہے، اور سہمے ہوئے بچے، کھانے کے ساتھ آنے والی مشعلوں پر ڈرڈر کے نظریں کر رہے ہیں۔ بیٹیوں کو تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ ہمارے گھر میں روشنی کرنے کو آ رہے ہوں گے، اس لیے کہ جانتی تھیں

کہ اب قسمت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، جو روشنی ہونا چاہتی ہو چکی۔ ایک دن ایسا بھی تھا کہ حسینؑ اندھیرے میں گھر سے نکلے تھے تو خدا نے بجلی کو، روشنی کے لیے زمین پر بھیج دیا تھا، ہاں اب تو جو روشنی ہونا چاہتی ہو چکی، مگر وہ بھی بے وقت آفتاب غروب ہوتے ہوتے سب کے سب خیمے جلا دیئے گئے، جو جل جل کر کچھ بھی گئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص لارہا ہے تو اس لیے لاتا ہوگا کہ مشعلوں کی روشنی میں پھر غریبوں کو لوٹے جب یہ خیال جم گیا، تو زینبؑ آگے بڑھیں اور پکار کر کہا کہ اس طرف آنے والو، اے سادات کے رتلانے والو! ابھی ابھی تھکے ماندے، ٹھوکے پیاسے ہمارے ننھے ننھے بچے روتے روتے سو گئے ہیں، اس وقت ہمیں نہ تلو۔ دوسرے ہمارے پاس مال وزلیور کیسا۔ اب تو سردوں پر چادریں بھی نہیں ہیں۔ اگر تمہیں ٹوٹنا ہی منظور ہے تو صبح کو لوٹ لینا۔ ہم یہاں سے کہیں چلے نہ جائیں گے، مگر اس وقت مہمانوں پر رحم کرو۔ یہ سُننا تھا کہ زوجہ ستر روتی ہوئی قریب آئی اور کہا، ٹوٹنا کیسا، اور ستانا کس کا میں ہوں زوجہ ستر، اے میری شہزادی میں اس لیے آئی ہوں کہ آپ کو آپ کے بھائی حسینؑ کا پر سا دوں، اور پتھل کو فاقہ شکنی کرا دوں۔ یہ سُننا تھا کہ زینبؑ نے زوجہ ستر کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور کہا، کہ اے اہلبیت کے پیارے مہمان کی زوجہ میں بھی تجھ کو تیرے شوہر کا پر سا دیتی ہوں۔ اے زوجہ ستر، تم بہت نادم ہیں، ایسے وقت میں تیرا شوہر ہمارا مہمان ہوا کہ ہم اس کی مہمانداری نہ کر سکے۔ زوجہ ستر نے کہا،

چودھویں مجلس

تمسکِ جبل اللہ المتین کا حکم۔ جہل اللہ سے مراد
آئمہ طاہرین ہیں۔ اتحاد و اتفاق کی تعریف اور
شبِ عاشوراء کا ہر خیمے میں تشریف لے جانا

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
طَلَسَمَ آرائے کن فیکون دنیا پر احکام جاری کرنے والا اپنے کلام
بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اعتصام کرو جبلِ خدا سے یعنی خدا
کی رسی کو سب مل کر مضبوط عقلم لو۔ آپس سے الگ الگ نہ ہو یعنی باہم
تفرق نہ رکھو بلکہ متحد رہو۔ یہ خلاصہ آیت ہے۔ اب لکھنا ہے یہ مگر وہ کون سی
رسی ہے جو دنیا والوں کے درمیان پڑی ہے، اور وہ کیسا ہے کہ جسے خدا اپنی
رسی کہتا ہے۔ دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ وہ کون سی صاحبِ عظمت
چیز ہے جس کے لیے کل افرادِ انسان کو حکم ملا ہے کہ اتحاد کر کے ساتھ ہو
اور جدا نہ ہو۔ ہماری آنکھوں کو کوئی چیز ایسی نہیں دکھائی دیتی، جس
کو ہم جبلِ خدا کہہ سکیں۔ یہیں کوئی نہی ایسی نظر نہیں آتی جس کے ایک
سرے نے دو عالم کا حلقہ کر لیا ہو، اور دوسرے سرے نے عرش کے پائے سے

شاہزادی بار بار حُر کا نام نہ لیجئے، اُس ایسے ہزار غلام آپ کے بھائی پر
نثار ہیں۔ آپ کے بھائی کا... آپ کو پُرسا دیتی ہوں میں کہتا ہوں آپ
حُر غوثِ شافعیب کہ فاطمہ کی بیٹی تمہارے رونے کو بھیجی ہے۔ زینب کا
حق تھا کہ بہن بھائی کو روتی۔ لیکن ظالموں نے محروم کر دیا تو اب حُر پر
رونے کا اقرار کر رہی ہیں۔ عزادارانِ حسینؑ کی روایت سے یہ ثابت
نہیں ہوتا کہ بیعتیوں نے وہ کھانا اور پانی نوش کیا ہو، اور جناب
زینبؑ کیونکر اُس کھانے اور پانی کو نوش فرمائیں، کیونکہ وہاں کا قاعدہ
ہے کہ جب عزیزِ قریب میت کو دفن کر کے پلٹتے ہیں تو حاضری چھٹی
جاتی ہے۔ یہاں حسینؑ کی لاش بے گور و کفن جلتی زمین پر پڑی ہوئی تھی
زینبؑ کیونکر حاضری کھاتیں، یہ حاضری تو حسینؑ کے اہلِ حرم کے لیے
کر بلا میں آئی، اور کوفے میں اس طرح دی گئی تھی کہ کھٹوں پر دونوں
طرف عورتیں بیٹھی ہوئی اپنے بچوں پر اسے جو زو خرمہ، اور روٹی ٹکے
ٹکڑے تصدق کر کے پھینکتی تھیں، اور نادان بنِ باپ کے بچے اٹھا
اٹھا کر منہ میں رکھ لیتے تھے۔ اُم کلثومؑ کبھی تو اہلِ شہر سے کہتی تھیں کہ
اے مسلمانو! اللہ عز و جل میں صدے پر صدہ نہ دو، ہم اہلبیتِ رسولؐ
ہیں ہم پر صدقہ حرام ہے، اور کبھی بچوں سے کہتی تھیں۔ اے بچو! خدا
تم کو سیر و سیراب کرے، یہ خرچے تصدق کے ہیں انھیں پھینک دو۔
اور بچوں کے منہ سے نکال لیتی تھیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد دنیا کی راہوں پر چلنے والے تین گروہ جدا جدا نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جو ابتدا ہی سے گم کردہ ہیں، یعنی کفار دوسرے وہ لوگ جو ہمیں کہیں کہیں چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تیسرے ہم لوگ ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام کو اپنا رہبر اور جہل اللہ سمجھتے ہوئے دین کے کٹاواہ راستے پر چل رہے ہیں، اور انشاء اللہ انہیں کے وسیلہ سے بارہوں منزلیں ملے کر کے ابدی جائے قیام یعنی جنت میں دم لیں گے ہم وہ مسافر ہیں جو راستوں سے واہت ہیں، راہنوں کی پرواہ نہیں کرتے، اور آنکھیں بند کئے چل پڑے ہوئے ہیں، جانتے ہیں کہ اگر ہمارے نہیں تو ہمارے رہبر کے یہ راستے دیکھے ہوئے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے دامنوں کو جنگل کے کانٹوں میں الجھائے ہوئے اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے دور دور نظر آ رہے ہیں، اب ہمیں یہ ایک منزل پر اور ملیں گے اور وہیں حق و باطل کا فیصلہ معلوم ہو جائے گا۔ ایک گروہ مالک کا بیعت ناک چہرہ دیکھے گا، ایک قافلہ رنواں سے معافہ کرے گا، وہ کون سی منزل ہوگی، منزل حبشہ۔ اسی منزل پر سمجھیں آئے گا، کہ کس کا راہبر راستوں کا جاننے والا تھا، اور اپنے نقش قدم پر آنے والوں کو کن راہوں سے لے کر ہم سے پہلے آگیا، اور کس کا راہبر خود گم گشتہ راہ تھا۔ یہ منزل بہت سخت منزل ہے، تنہکے ماندے مسافروں کو دم لینے کی فرصت کہاں، نفسی نفسی کا غل، سر پر جھپکتے ہوئے آفتاب کی گرمی

تمسک حاصل کیا ہو۔ ہاں اگر کوئی مضبوط رستی ہے تو وہ رستہ اُفت ہے یعنی ولایت اہلبیت، یہی بارہ عظیم مقاموں پر کھینچی ہوئی دنیا سے ترقی کر کے عرش خدا تک پہنچ گئی ہے۔ یہ میرا خیال ہی نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی جو نام کو جبل اللہ امتین سے تمسک حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بڑے شخص کا قول ہے یعنی صاحب تفسیر عزیزی کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی جبل خدا نہیں مگر ائمہ طاہرین۔ مگر میں ان کے قول کو مستند نہیں سمجھتا۔ کیونکہ جو دائرہ دین سے خارج ہیں، وہ میرے نزدیک بھی خارجی ہیں۔ اگرچہ یہ قول سب انہیں کے کتب سے ہیں۔ ہم کو اور آپ کو ان سے کیا مطلب، آپ اپنے آقا اور مولا قرآن ناطق امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول نہیں فرماتے ہیں وہ جناب نَحْنُ جَبَلُ اللَّهِ الَّذِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا یعنی ہم ہی وہ خدا کی رستی ہیں، جن کو خداوند عالم نے جبل اللہ فرمایا ہے، اور ہمارے ہی دامنوں کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح امیر المؤمنین سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا، کہ جو شخص چاہتا ہو کہ سفینہ نجات پر سوا ہو۔ اور دنیا کے طوفان سے بال بال بچ کر نکلے، اور جبل اللہ امتین کو مضبوط تھامنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ علیؑ کو دوست رکھے اور ان کے دشمنوں کو دشمن رکھے اور ان کی اولاد سے محبت کرے کہ وہی میرے خلفاء ہیں یہ چند قول میں نے آپ کے سامنے نقل کئے، یہ سب اہل سنت کی کتب سے ہیں۔ اب آپ خود طے کر سکتے ہیں کہ جبل اللہ کون ہے۔

جہنم کے سامنے بھڑکتے ہوئے شعلے کا آگ میں آگ لگ جانا، پسینے کی کثرت صفحہ سخیال پر ایک لمحہ میں ہزاروں مضامین کا درج ہونا پیاس کی شدت، آفتاب کی حرارت سے آنکھوں کا اُبنا، پسینے کا کھولنا ہوا پانی بن جانا، قافلوں پر قافلوں کی آمد، مگر سب اداس، اور سب کی حالت تباہ نہیں معلوم کن کن منزلوں پر لٹے ہیں کہ سامان سفر کیسا توشہ زار اور اہ بھی نہیں، ایسا وحشت خیز مقام، اُس پر حکم دینے والے کا حکم کہ جسے شتر کے میدان میں پریشان ہونے والو، آنکھیں کھول کر دیکھو، وہ جہنم ہے جہاں پر دھواں دکھائی دے رہا ہے، اسی کا نام دوزخ ہے جسے ہم شعلے سمجھ رہے ہو، یہ شعلے نہیں، بلکہ یہ دُہی دھواں ہے جو آگ کی کثرت سے سُرخ ہو گیا ہے۔ اور وہ سامنے جہاں اُونچے درختوں کی گنجائ چوٹیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ وہ جہاں پہنچ کر تمہاری نظر جھٹنے کا ارادہ کرتی ہے، دُہی بہشت بریں ہے۔ اگر اور فرحت افزا خطے میں جانے کی ہوس ہے، تو بڑھو اس دریائے آتش سے گزرنے کی کوئی راہ نہیں، مگر دُہی رستی جو بال سے باریک اور تلوار سے زائد تیز دکھائی دے رہی ہے۔ اگر تمہارا ہاتھ پکڑنے کو جبل اللہ المیتیں ہے تو پھر کیا ڈر ہے گزرجاؤ کوئی اس پل سے نہیں گزر سکے گا۔ مگر دُہی جو سیفینہ نجات پر سوار ہے، دُہی لوگ جن کے جھتے ہوئے قدم آپ مستقل بن گئے ہیں، وہ گوہر مراد پانے والے جھنوں نے اپنے دامنوں کو جبل اللہ سے مضبوط باندھ دیا ہے، جن کے پھیلے ہوئے دامنوں کو

ہوئے جنت اگر معطر کرتی ہے، یہی لوگ ہوں گے جن کے دامنوں کی فضا میں جنت کی بادِ مراد بھر کر جسم کی کشتی کو اُٹالے جائے گی۔ اور جو لوگ ہم سے دُنیا میں منزل میں، راہوں میں چھٹ گئے ہیں وہ وہاں بھی چھٹ جائیں گے۔ اور کیوں نہ چھٹ جائیں۔ رسول اللہ کے دشمن کو کون سہارا دے، ارے یہی وہ لوگ ہیں جن کے بزرگوں نے بڑے بڑے ظلم کئے جس کو خدا نے جبل اللہ کہا، اُسی کو رستی سے جکڑا، جو پاؤں صراط پر چمکنے والے تھے اور جو ہاتھ تھام کر جنت میں پہنچا دینے والے تھے۔ انھیں پیروں میں بیڑیاں انھیں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائیں۔ الغرض اس آیت کا دوسرا ٹکڑا ہے وَلَا تَفْرَقُوا یعنی جدا نہ ہو۔ بلکہ متحد رہو۔ واقعاً اتحاد وہ قطب ہے جو آپ حرکت نہیں کرتا بلکہ اس کے ڈھونڈنے والے اُس کے گرد تاروں کی طرح شار ہوتے ہیں اتحاد وہ غل ہے کہ جس رگ میں جاری ہو جائے وہ خراب ہی نہیں ہوتی۔ اتحاد وہ شجاع ہے کہ اپنے مخالفوں کا منہ پھرا دیتا ہے۔ اتحاد ظاہری بھی ہوتا ہے اور باطنی بھی۔ ظاہری اتحاد کی صورت یہ ہے۔ میں منبر پر تفصیل سے نہ بیان کروں گا، مگر سید جباری صاحب زہرِ ربیع لکھتے ہیں کہ فصد کسی کی لی جاتی ہے اور رگ کسی کی لہو دیتی ہے۔ وہ لوگ بہت کم ہیں جن میں ظاہر اور باطن اتحاد پایا جاتا ہو۔ مگر ہاں چند بیس مسافروں میں۔ کون مسافر، مدینے کے رہنے والے، اپنے گھروں کو چھوڑ کر کربلا کے جنگل کو بسانے والے، اب تو آپ سمجھ گئے ہیں بیان کرتا

ہوں سنئے۔ صبح عاشورہ اپنا گریبان بچاڑے ظاہر ہو چکی ہے۔ آفتاب
 دُنیا کا مُنہ حیرت سے دیکھتا ہوا بلند ہو رہا ہے، اُدھر بڑید کا لشکر جس کی
 تعداد تیس ہزار سے سولہ لاکھ تک کہی جاتی ہے تیار ہو چکا ہے اُدھر سیٹی
 فوج آمادہ مرگ و مہیا قضا ہے، اُدھر صفوں پر صفیں اُمنڈ رہی ہیں۔ اُدھر
 ایک صف ہے، اُس میں بھی رخنے پڑے ہوئے ہیں، کیوں اس لیے
 کہ جوانوں کے برابر بچے بھی پہلوؤں سے پہلو ملائے مرنے پر آمادہ کھڑے
 ہیں۔ اُدھر سادات کا خون بہانا امر واجب سمجھا جاتا ہے اُدھر آسمان
 کو دیکھ کر کہہ رہے ہیں مَرْضٰی بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيْمًا لِّاَمْرِهِ۔ اُدھر
 عمر سعد نے تیرکمان میں جوڑا اور آواز دی کہ اے فوج والو گواہ رہنا،
 پہلا تیر جو لشکر حسین پر سر کرتا ہے وہ میرا ہاتھ ہے، یہ سُننا تھا کہ فوج
 والوں نے بھی تیر جوڑے، ایک تیر کے ساتھ ہزاروں کمانیں کرطیں
 اُدھر اتنے سینے کہاں تھے جو ایک ایک تیر بانٹ لیتے، ہاں انصار
 حسین کے جسم ٹکڑے ہو کر گر پڑے، اور ایک دوسرے کے خون
 میں لوٹنے لگا، گویا شہید ہونے والے دکھا رہے تھے کہ دیکھو دُنیا
 میں ہاتھ میں ہاتھ دیتے پھرتے تھے، تو رحمت میں رو عین متحد ہیں،
 اور مرنے پر خون سے خون ملا ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بہتر میں سے
 ان شہید ہونے والوں اور کس بچوں کو نکالو، تو میں بائیس آدمی رہ
 جاتے ہیں، اتنی بڑی فوج سے جہم کرانے والے کیونکر لڑے کہ صبح سے
 عصر تک تلوار چلا کی ہے، مگر خیال تو کیجئے یہ بھی ایک عورت اتحاد

ہے، یہ لڑکر مر جانے والے ایک دل ہو کر لڑے۔ اگرچہ قزوٰ فدا لڑے
 اتحاد نے شاید قوتوں کو بھی ایک جا کر دیا تھا کہ جو شخص میدان کارلڑا
 میں آیا وہ بیس آدمیوں کی قوت سے لڑا۔ میں یقین سے کہتا ہوں
 کہ اگر یہ لوگ پیاس سے نہ ہوتے اور ان کو مرنے سے پہلے پیاس نے
 نیم جان نہ کر دیا ہوتا تو عاشورہ کو ہرگز ہرگز ہمارے امام شہید نہ ہو
 سکتے، کیا آپ گویا دہنیں ہے کہ جب شہیدہ پیغمبر میدان میں
 آئے ہیں، لشکر سے لڑے ہیں۔ اُن تہلکہ فوج میں پڑ گیا تھا۔ یہاں تک
 کہ عمر سعد نے بکر ابن خاتم کو جو بہت بڑا پہلوان تھا۔ مقابلے کو بھیجا،
 یہ اتنا بڑا پہلوان تھا کہ اس کے آنے سے حسین کا چہرہ اتر گیا تھا، مگر
 علی اکبر نے ایک وار میں اُس کو دو کیا۔ قاعدہ ہے کہ لڑنے میں ور زخمی
 ہونے کے بعد پیاس بڑھ جاتی ہے۔ اب صبر نہ ہو سکا۔ آئے خدمتِ امام
 میں اور عرض کی، کہ اے بابا اب پیاس کا بہت غلبہ ہے۔ مجھے پانی کا
 ایک جام ملا دیجئے تاکہ میں دل ٹھول کر لڑ سکوں۔ اے حسین میری جان
 آپ کی اس محتاجی کے شاعر، جوان بیٹا کار نمایاں کر کے آیا ہے اور
 باپ سے صلہ کا طالب ہے صلہ بھی کیا ایک جام آب سی شے۔ مگر
 غیرت دار باپ سر مٹھ کاتے ہے اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیٹا جان حاضر
 ہے مگر پانی نہیں تیسری صورت اتحاد یہ ہے کہ جب امام اُتیسے رہ
 گئے اور زخموں سے چوڑ چوڑ ہو چکے آواز دی اَمَامِنْ نَاصِيَةٍ مُّصَرِّفِي
 کوئی ہے ایسا جو میری مدد کرے، مگر کسی طرف سے جواب نہ آیا۔ بلکہ

تیروں کے سناٹا اور متحیروں کی بھیانک آواز نے جنگل کو اور
درونا کر دیا، مگر ایک طرف سے لٹیک لٹیک کی آواز آئی وہ
کہہ رہے شہدائے لاشوں سے یعنی اے حسینؑ ہم حاضر ہیں۔ یہ تو ظاہر
ہے کہ جسموں میں جان نہ تھی۔ مگر امامؑ سے اتحاد تھا، مرنے پر بھی دل بچپن
ہو گیا اور حسینؑ کی آواز کی کشش نے رُحوں کو گویا جسموں میں لا کر
آواز دلوا دی۔ چوتھی حالت اتحاد اور عرض کرتا ہوں اور اسی پر ختم شب
عاشور کو حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ایک قصہ و تبلیغ خطبے
کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میرے اصحاب سے بہتر کسی
کے اصحاب نہیں۔ مگر اے محبت کرنے والو اس وقت سُن لو، کہ
کل کا دن وہ دن ہے کہ جس میں میرا سترن سے جدا کیا جائے گا اور
یہ جان کی دشمن فرج مجھے بغیر فرج کئے نہ چھوڑے گی، میں تمھاری
گردنوں سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں، تمھارے بار کو ہلکا کئے
دیتا ہوں، یہ رات ادھی گزر گئی ہے اندھیرا ہو گیا ہے۔ اسی پردے
میں جدھر جا سکو چلے جاؤ، تمھیں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ اور اگر دیکھ بھی
لیا تو کوئی مزاحم نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس لشکر کو تو میرے سر سے مطلب ہے
حم سے کیا غرض۔ یہ سنا تھا کہ مسلم ابن عوسجہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور
عرض کی کہ، اگر اس فدا ہونے والے کو یہ فرج ستر مرتبہ قتل کرے اور
میرے جسم کو جلا کر خاک کر دے اور خاک کو برباد کر دے، اور پھر میں
حکم خالق سے زندہ کیا جاؤں، جب بھی آپ کی نصرت سے منہ

نہ موڑوں۔ یہ سُن کر امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اگر تم چلے جانے پر راضی
نہیں ہو تو جس کے ساتھ حیال ہوں وہ اپنے حیال کو اپنے قبیضے میں
پہنچا آئے۔ یہ سُن کر حبیبؑ ابن مظاہر اُٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ
مولانا اس کا کیا سبب ہے۔ فرمایا کہ کل میری شہادت کے بعد میری
بہنوں کے ہاتھ پس گردن سے باندھے جائیں گے۔ مجھے منظور نہیں کہ
تمھاری عورتیں بھی اہل حرم کے ساتھ سر بہنہ ہوں۔ یہ سُن کر اصحابؑ نے
لگے پھر حبیبؑ ابن مظاہر اپنے خیمے میں داخل ہوئے۔ زوہرہ عرض کرنے لگی
کہ یہ خطبے میں امامؑ نے کیا ارشاد فرمایا کہ تم سب رونے لگے تمھے حبیبؑ
ابن مظاہر نے سب حال بیان کیا اور کہا کہ میرا قصد ہے کہ تمھیں تمھارے قبیضے
میں پہنچا آؤں۔ یہ سنا تھا کہ زوہرہ نے چوپ خیمہ پر اپنا سر دے مارا، اور
کہا کہ اے حبیبؑ ابن مظاہر تم نے خوب انصاف کیا۔ اے عقدہ کشا کی
بی بیوں کے ہاتھوں میں رسن ہوا اور میرے ہاتھ کھلے رہ جائیں، اے
زینبؑ بے پردا کی جائیں اور میرے سر پر چادر رہے، یہ کہاں ممکن ہے
جو حال اہل حرم کا ہوگا وہی حال میرا بھی ہوگا۔ اس کے بعد صحبتِ برہنات
ہوئی اور مقتضائے احتیاط امامؑ اپنے خیمے سے نکلے، اور حفاظتِ
ناموس نبیؐ کرنے لگے۔ یہ روایت اکثر آپؐ سنا کرتے ہیں جو میں بیان کر
رہا ہوں میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ حسینؑ خیمے سے نکلے تو کس لئے؟
یعنی آپ اس کا جواب یہی دیں گے کہ حفاظت کے لیے تو اگر امامؑ حفاظتِ
خیام کو نکلے تھے۔ تو یہ ممکن نہیں کہ صرف چند خیموں کی پشت سے گزر کر

فدا کیجئے۔ وہاں سے بڑھے خیمہ اُمّ لیلیٰ میں تشریف لائے، ملاحظہ فرمایا۔
 کہ علی اکبرؑ ماں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور ماں اکبرؑ کے تابندہ
 چہرہ کو دیکھتی اور روتی جاتی ہیں کہ ہائے سی چاند سیا چہرہ کل
 خاک و غل میں آلودہ ہوگا۔ حسینؑ کے خیموں میں یا ادا سی تھی یا گریہ بکا
 کی آوازیں جس گھر سے صبح کو اٹھا رہ جنائزے نکلنے والے ہوں ان میں
 رات کو سو روتے کے کیا ہوگا، اور رونا حسینؑ کے گھر میں اب ایک
 ادنیٰ اسی بات ہوگئی۔ جب سے نبیؐ زادے نے گھر چھوڑا نہیں معلوم وہ
 کون سی ساعت تھی کہ پھر اس گھر میں کسی کو ہنسی نہیں آئی۔ غرض
 حسینؑ ہر خیمے میں تشریف لے گئے ہوں گے، مثلاً خیمہ جناب ربابؑ
 مادر علیؑ اصغرؑ یہاں اگر حسینؑ گئے ہوں گے تو یہی دیکھا ہوگا کہ اصغرؑ تپاں
 کی ابتدا سے تڑپتے تڑپتے سو گئے ہیں اور ماں جھولا جھولا رہی ہے
 کسی نے یہ نہیں لکھا کہ حسینؑ نے دیکھا کہ جناب ربابؑ مادر علیؑ اصغرؑ
 علیؑ اصغرؑ کو آغوش میں لیے ہوئے پیار کر رہی ہوں، اور گلے کے بوسے
 لے رہی ہوں۔ مگر ٹھیک ہے۔ یعنی ایسا نہ ہوا ہوگا۔ اس لیے کہ جناب
 ربابؑ کو یہ خیال ہی نہ ہوگا کہ کل اس سن کا بچہ بھی قتل کیا جائے گا اور
 حرمہ تیرسہ شجہ لگائے گا، ایسا اگر خیال ہوتا تو ضرور ماں اصغرؑ
 کے گلے کے بوسے لیتی۔

والپس چلے آئے ہوں، یقیناً ہر ایک خیمہ کے گرد پہنچے ہوں گے حضرت
 پہلے جناب زینبؑ کے خیمہ کے قریب آئے۔ یہاں پہنچ کر امامؑ نے دیکھا کہ
 زینبؑ اپنے دونوں بیٹوں کو سمجھا رہی ہیں کہ اے بچو! قریبی آل محمدؑ کا
 دن ہے، دیکھو اگرچہ تم کس ہو مگر باحوصلہ ہو۔ ایسا نہ کرنا کہ زینبؑ کو
 سیدہ سے شرمندہ ہونا پڑے، یہاں سے بڑھے تو خیمہ اُمّ فردہؑ بیوہ
 امام حسنؑ میں تشریف لائے، دیکھا عبداللہؑ و قاسمؑ بیٹھے ہیں اور ماں
 مرنے والے ڈولہا کو سمجھا رہی ہے کہ بیٹا کل یہ نہ سمجھنا کہ میں حسینؑ کا
 داماد ہوں، میں حسینؑ کا بھتیجہ ہوں، بلکہ حسینؑ کو آقا سمجھ کر اپنا سر
 حسینؑ کے نقش قدم پر نشان کر دینا۔ یہاں سے بڑھے خیمہ اُمّ کلثومؑ
 پر تشریف لائے دیکھا کہ صحن خیمہ میں عباسؑ تلوار پر مصقل کر رہے ہیں
 اور خیمے کے ایک گوشہ میں اُمّ کلثومؑ زار و قطار رو رہی ہیں۔ یہاں
 تک کہ جناب عباسؑ کی نظر پڑی، عباسؑ خاندان رسالت کے شہیدا
 ہیں بیچیں ہو گئے، ہاتھ جوڑ کر عرض کی، اے میری خوزادی اس وقت
 رونے کا کیا سبب ہے۔ اُمّ کلثومؑ نے ارشاد فرمایا، کہ بھتیجا تمھاری
 یہ بہن بڑی بد نصیب ہے، دیکھو بڑی بہن کو وہ اپنے مانجائے پر سے
 دو فرزند نشان کریں گی، اُمّ فردہؑ قاسمؑ و عبد اللہؑ کو صدقے
 کریں گی، میں کوئی اولاد نہیں رکھتی جو آج حسینؑ کے کام آئے۔ یہ
 سننا تھا کہ عباسؑ علیہ السلام نے سرفردوں پر رکھ دیا اور عرض کیا، کہ
 اگر کوئی نہیں تو یہ غلام تو حاضر ہے آپ مجھے غلام سمجھ کر حسینؑ پر

ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور قیامت کے دن بُری طرح حساب کئے جانے سے خوف کھاتے ہیں۔

اس آیت میں خداوند عالم نے جناب رسالتاً پر جو کچھ نازل ہوا اُس کے انکار کرنے والے کو اعلیٰ کی لفظوں سے یاد کر کے نابینا کا خطاب دیا، اور صاحبان بصیرت کو اس کے سمجھنے کے لیے خاص کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ رسولؐ کی آواز پر لبیک کہنے والا نابینا اور حلقہ مخالفت سے نابینا ہوا۔ تو حاضرین کی تقسیم انھیں دو حصوں میں ہوئی اور قدرت فیصلہ کرتی ہے کہ رسولؐ پر ایمان لانے والے ان کے مقابلے میں جو مخالفین ہیں وہ نابینا ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اُن کے باصرہ میں حیلپتی پھرتی چیزوں کے دیکھنے کی روشنی نہیں ہے بلکہ وہ دلوں کے اندھے ہیں اور قلب کی آنکھیں بے نور ہیں ظاہری بصارت سے زیادہ فائدہ رسال باطنی بصارت ہے جس سے خدا دکھائی دیتا ہے جناب رب العزت نے قرآن مجید میں اور بھی چند چیزوں کو باہمی امتیاز دیا ہے ایک محل پر ارشاد ہوتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْحَيِّثُ وَالطَّيِّبُ رسولؐ کہہ دیجئے کیا جس اور پاک برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ زندہ اور مُردے برابر نہیں ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح نجس اور پاک میں فرق ہے، اور زندے اور مردے میں، اسی طرح رسولؐ کے نام لیوا ان لوگوں سے ممتاز جنہوں نے نبوت کو نہیں مانا اور

پندرھویں مجلس صلہ رحم کی تعریف اور وفاداری صحاب سید الشہداءؑ اور روایت سید

قَالَ اللَّهُ سُبحَانَهُ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ
الْحَمِيدِ أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ
كَمَنْ هُوَ أَعْمَى لَا نَسْيَتُكَ كَرُّ أُولَئِكَ الْبَابِ الَّذِينَ
يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَتَّقُونَ الْيَمِينَةَ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ
الْحِسَابِ

خداوند عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہمارے حبیبؐ بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے بالکل سچ ہے کیسے اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو مطلقاً اندھا ہے (ہرگز نہیں) اس سے تو بس کچھ سمجھدار ہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں کہ خدا سے جو عہد کیا اسے پورا کرتے ہیں اور اپنے اقراروں کو نہیں توڑتے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے تعلقات کے قائم رکھنے کا اللہ نے انھیں حکم دیا ہے انھیں قائم رکھتے

صلہ رحم ہے جس کا آیت مذکور میں خدا نے حکم دیا ہے اور دنیا میں تو سب سے
 رزق و طول عمر کا باعث ہے اور آخرت میں صفا میں بہشت ہے اور اس
 قول کی تصدیق کہ صلہ رحم ہمارا حشر تک ساتھ نہ چھوڑے گا، اس قول سے
 ہے آپ نے فرمایا کہ محشر میں تین چیزیں پیش خدا وادری کو آئیں گی، ایک
 امانت جس کی صدا ہوگی کہ خداوند لوگوں نے مجھ سے روگردانی کی دوسرے
 نعمت جس کی فریاد ہوگی۔ بارالہا لوگوں نے سخت کفران نعمت کیا تیسرے
 یہی رحم آواز دے گا کہ اے میرے پیدا کرنے والے لوگوں نے میرا سلسلہ
 قطع کیا۔ مختصر یہ کہ صلہ رحم وہ شے ہے کہ انسان ہمیشہ سے اس کا عادی
 بنایا جاتا رہا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ یہ عادت ہماری فطرت میں داخل
 ہو جائے یہ خوبصورت عکس دل کے آئینے میں حجم کر بیٹھ جائے۔ قاعدہ
 ہے کہ جس چیز کی کوشش کی جائے کسی نہ کسی وقت وہ ضرور حاصل ہو
 جاتی ہے۔ پہلے دنیا کی ہدایت کرنے والے یا تو اس دستور العمل کا نفاذ کیا
 کرتے تھے اور لوگ نہ ملتے تھے، یا اب ہم خود اس کو ایسا پسند کیے ہوئے
 ہیں کہ جس میں عادات رحم نہیں دیکھتے اسے معمول انسان سمجھتے ہیں آپ
 خود غور کیجئے کہ وہ انسان بھی کوئی انسان ہے جس کے پہلو میں اثر قبول کرنے
 والا دل نہ ہو۔ کیا ممکن ہے کہ ہم کسی مریض کا اترا ہوا چہرہ اور زرد
 رنگ دیکھیں اور ہمارا دل نہ دکھے کیا کسی یتیم کی یا کسی آلود صورت
 حسرت بھری نگاہ ہمارے دل کو خوش رکھ سکتی ہے کیا کسی زخمی کا بہتا ہوا
 خون ہمارا دل ٹھنڈا کر سکتا ہے کیا کسی پیاسے کی زبکی، ٹوٹی زبان

مخالفت کرنے والے اندھے ہیں۔ آگے چل کر سچے دل سے مسلمان ہونے
 والوں کے استقلال کو بیان کیا ہے کہ وہ عہد پر ہونا اور میثاق شکنی سے
 پرہیز کرتے ہیں یہ جاننا ہی کی دلیل ہے، اسی کے ساتھ ان کی ذہنیت
 پر روشنی ڈالی اور خدا کے خوف اور حساب کے دن کی بڑائیوں سے
 ڈرنے کو پیش کر کے صلہ رحم کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
 کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے والے اور مواسات
 کے حامی تھے اور اس آیت سے مقصود یہی ہے کہ عام لوگوں کو صلہ رحم
 کا حکم دیا جائے جس میں قربت دار اور اہل ہمسایہ وغیرہ داخل ہیں اور
 صلہ رحم ایک نئی دنیا اور جدید عالم ہے، مگر یہ وہ جہاں ہے جہاں
 نفس کا پتہ نہیں۔ یہاں کے رہنے والے مضائب سے جدا ہیں۔ ایک دوسرے
 پر سلام میں تقدیم کرتے ہیں۔ آپس میں خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، مسکرا
 مسکرا کے باتیں ہوتی ہیں، کھینچ کے بیٹھ رہنے سے دوستوں کی صحبت
 اور وعظ و نصیحت کی مجلس کو پسند کرتے ہیں، ایک دوسرے کی اعانت
 میں سرگرمی سے کوشاں ہیں۔ سب کے سب عواد ہیں اور ایسے عواد کہ
 جن کی مٹھی بندھی نہیں ہوتی، دوسروں پر بلا آنے نہیں دیتے اور
 رد بلا کی فکر میں رہتے ہیں۔ دوسری روایت میں صاحب در منثور تحریر
 فرماتے ہیں جو قاعدہ تک منتهی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے رسول خدا
 نے فرمایا کہ اے قاعدہ خدا سے دُرا اور صلہ رحم کی عادت اختیار کر،
 اس لیے کہ دنیا سے جلتے ہوئے اگر کوئی شے تمہارے ساتھ ہوگی تو وہ یہی

دیکھ کر ہم پانی سے بھرے ہوئے ظرف کو چھپا سکتے ہیں۔ ہمیں ہرگز نہیں ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمِ زہر عرشِ معلق ہے، اور برابر آواز دے رہا ہے کہ جو میرے ساتھ توسل اختیار کرے اُسے تو بھی اپنی رحمت سے جدا نہ کر جو مجھ سے منہ موڑے اُسے تو بھی چھوڑ دے۔ یہ فرما کر آپ کہتے ہیں کہ یہ آواز دینے والا صلہ رحمہم آل محمد میں۔ اس لیے کہ ہمارے ساتھ رحم کیا ہی نہیں گیا۔ رحم وہ چیز ہے کہ کیسا ہی پتھر کا دل کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی کبھی رحم آ ہی جاتا ہے، اور نہ آنے کی وجہ ہی کیا اولاً حکمِ خدا شایاناً ترغیبِ رسولؐ اور اس کو بھی جانے دیجئے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی سہل حکم بھی کسی بڑے حاکم کی طرف سے ہوتا ہے تو بغیر اس کے معنوں پر نظر کئے ہوئے اہم نظریں پڑنے لگتی ہیں۔ اور یہ صرف اس حاکم کے جلال و ہیبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آپ یوں دیکھتے کہ آیا انسانیت کیا چاہتی ہے، ظلم کرنے کی طرف رغبت ہوتی ہے یا رحم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ہمارے خیال میں بھی کبھی نہیں گزرتا کہ انسان کی کوئی فرد بھی ظلم کو اچھا جانتی ہو یہاں تک کہ جن لوگوں سے ظلم کا ارتکاب ہوا ہے وہ بھی ہرگز ہرگز ظلم کو پسند نہ کرتے تھے، بلکہ یہ اُن کی کوتاہ بینی تھی کہ حد سے گزرا ہوا اپنا فعل ظلم نہ ہوا تھا ضحاک خوشہ مشور ظالم ہے اس کو جب ایک پیر مرد نے نصیحت کی ہے اور کہا ہے اے ضحاک عنقریب تیری شاہی دوسروں کی طرف منتقل ہوا چاہتی ہے۔ اب تو بے حد ظلم کرنے لگا ہے تو ضحاک کو اس کی توہر بھی نہ ہوئی کہ یہ کس کی شاہی

کی نسبت حکم لگا رہا ہے۔ مگر ہاں اُس نے بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا کہ کیوں اے نصیحت کرنے والے کیا میں ظالم بادشاہ ہوں۔ یہ دُوبی بات ہے کہ اپنا فعل ظلم نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ اہل کفر کی حالت تھی اور ہم کو تو اسلام کے پھیلانے والے نے یہاں تک بتایا ہے کہ کافر سے صلہ رحمہ کریں، اور وہ لوگ ایسا کرتے تھے طلحہ دشمنوں کی فوج میں تھا۔ جب میدانِ اُحد میں مقابلہ ہوا۔ اور آپؐ نے ایک وار سے اس کے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے ہیں اور دوسرے وار کے ارادے سے آپؐ بڑھے ہیں تو طلحہ نے بیتاب ہو کر کہا یا علیؑ الامان الامان، اگرچہ آپؐ کی ذوالفقار کا شعلہ معمولی شعلہ نہ تھا کہ ایک لپک لگ جانے کے بعد دوسری ضرب کی ضرورت ہو، یہ اسی ضرب کے صدمے سے آخر میں فی النار ہوا۔ لیکن امیر المومنینؑ بغیر دوسری ضرب لگائے ہوئے واپس چلے آئے۔ رسولؐ خداؑ نے پوچھا یا علیؑ تم نے ہاتھ اٹھا کر کیوں چھوڑ دیا، عرض کیا اے رسولؐ خدا دشمن محبوب تھا، اور پناہ مانگتا تھا۔ مجھے شرم آئی کہ اب اس پر کیا ضرب لگاؤں، یہ بات کچھ اس قدر شرع میں دُوبی ہوئی تھی کہ رسولؐ خداؑ نے بیتابی سے امیر المومنینؑ کو گلے سے لگالیا۔ رسولؐ خداؑ کی مشہور حدیث بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ مہمان کے حقوق کی نگہداشت بھی صلہ رحمہ ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے (اَلْكَرْمُ وَالْطَّيْفُ وَالْوُكَاَنُ كَاْفِرٌ)۔ مہمان کا اکرام کرو۔ اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ جنگِ خیبر کی فتح کے بعد رسولؐ خداؑ، بلالؓ پر غصا ہوئے اُس کا بھی یہی سبب تھا کہ بلالؓ صغیر خواہر

مرحبت کو قتل کی طرف سے لے کر آئے اور صفیہ نے بھائی کی لاش دیکھی۔
 اگرچہ اُس نے حد سے زائد صبر کیا لیکن چہرے سے آشکارا اہم نہ مٹ سکے۔
 اور کیوں مٹتے کسی غیر کا نہیں۔ بھائی کا خون تازہ دیکھا تھا جب رسول خدا
 کی خدمت میں یہ حاضر ہوئی۔ تو آپ نے رنج و ملال کا سبب پوچھا۔ اس
 نے کہا کہ مجھے بلالؓ اس راہ سے لائے جہاں میرے بھائی مرحبت کی لاش
 پڑی ہوئی تھی۔ یہ سُننا تھا کہ رسول خدا کا چہرہ فرط غصہ سے سرخ ہو گیا اور
 آپؐ نے فرمایا اے بلالؓ بڑے قسمی القلب ہو، کوئی سورتوں کو قتل کی طرف سے
 لاتا ہے۔ یہ بات بے شک صدمہ رحم سے ہوئی تھی۔ مگر بلالؓ نے جان کر
 صفیہ کو رنج دینے کے لیے ایسا نہیں کیا تھا، ہاں خیال نہ رہا اس لیے کہ
 اکثر ہشتناک مواقع پر بعد کو بھی خاص عالم طاری رہتا ہے مگر یہ بھی ہے
 کہ صدمہ رحم کا خیال رکھنا بھی کوشاں ہے، یہ بات فقط امام حسینؑ علیہ السلام
 کے اصحاب پر ختم ہو گئی۔ صدمہ رحم میں مظلوم کی مدد کی، اور ان لوگوں
 نے حسینؑ کے ساتھ کچھ ایسی وفا کی کہ آخر امام کو شب آشور خطبے
 میں فرمانا پڑا کہ خدا نے مجھے وہ اصحاب با وفا دیئے ہیں کہ ان سے بڑھ
 کر با وفا دوست کسی نبی و وصی کو نہیں ملے۔ یوں تو تمام انصار مدح و
 ثنا کے قابل ہیں، مگر یہ چند نفس بہت زیادہ مدح کے مستحق ہیں یہ لوگ
 با وفا کہے جاتے ہیں۔ اللہ ان کی وفا کس قدر عظیم تھی جو ان غلام ابوذر غفاری
 ہی کو دیکھتے۔ دسویں شب کو امامؑ نے ان سے خاص طور سے کہا کہ اے جو
 تم تو میرے پاس پناہ لینے آئے تھے۔ مگر زمانے نے مجھے خود اس قابل کر دیا

ہے کہ اس لشکرِ اعظم سے ایک رات کی امان طلب کروں میں تمہاری
 گردن سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں چلے جاؤ۔ جو ان نے آنکھوں
 میں آنسو بھر کے عرض کیا۔ مولانا آرام کے دن تو آپ کے ساتھ کاٹے اب
 آپ کو مصیبت میں چھوڑ کر چلا جاؤں تو رسول خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔
 جب تک دم میں دم ہے آپ کی خدمت سے منہ نہ موڑوں گا۔ دوسرا
 ایک حبشی غلام تھا جس سے آپؐ نے فرمایا کہ اے با وفا تو مجھ سے الگ
 ہو جا، یعنی لشکر ابن زیاد کی طرف چلا جا، اس لیے کہ میں تو بچ نہیں سکتا مگر
 تو بچ جائے گا۔ اس کا جوش بلا کا جوش تھا۔ لوگوں کو تو نصرت کی تمنا تھی
 مگر اُس کا دل یہ چاہتا تھا کہ سلمان فارسی تو صرف اہلیت میں داخل ہو
 جانے سے فخر کیا کرتے تھے۔ مگر میں حسینؑ سے اُن سے بھی زیادہ نزدیک
 ہو جاؤں۔ جیسے ہی امامؑ نے فرمایا کہ تو مجھ سے الگ ہو جا۔ اُس نے کہا
 اے نبی کی یادگار آج وہ دن ہے جس میں بنی ہاشم کا خون زمین پر بہایا
 جائے گا۔ آپؐ مجھ کو جدا کرنا چاہتے ہیں، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ اپنا سیاہ
 خون آپؐ ایسے بہنے کے لئے سے ملا دوں۔

تیسرا وہ غلام ان کے عرسِ آپ کے بیمار و علیل آقا کا غلام تھا، قریب
 ظہر میدان میں آیا اور کچھ ایسی وفادار کھائی کہ جب خیمہ میں اس کی لڑائی کی
 خبر گئی اور اتفاق سے بیمار کر بلا کو بھی ہوش آیا، پوچھا اب کون لڑ رہا ہے
 فضہؓ نے عرض کی کہ آپ کا غلام ترک امامؑ کی نصرت کو گیا ہے۔ فرمایا
 فضہؓ ذرا خیمے کا پردہ اٹھا دینا کہ ہم اپنے غلام کی لڑائی

اور ایک غلام نے کہا، کہ یوں بنی اُمیہ پہلے انعام لینے کے تم مستحق ہو یا بنی ہاشم۔ انھوں نے کہا بھلا، ہم ان پر کیا سبقت کر سکتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں خدا کا دین پھیلایا، مسلمانوں کا رسول اسی خاندان سے ہے۔ واہ رے انصاف سبقت کرنے میں سوئے ادب تھا اور کہہ لائیں تلوار کھینچ کر بڑھنے میں کسی کو نرم نہ آئی۔ غلام نے کہا تو میں پھر بنی ہاشم کو پکارتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ہاں کیا دیر ہے۔ فَقَالَ الْغُلَامُ آيْنَ آيْنَ حَمْرَةَ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَخُذْ عَطَايَاكَ یعنی سب سے پہلے خود ہاشم کے پوتے حضرت حمزہ آئیں اور اپنا انعام امیر سے لیں۔ سدیف نے گریباں چاک کیا۔ کہا کون جسٹمہ انھیں بنی اُمیہ کی فرمائش سے اُحد میں اُن کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا دے گا۔ فَقَالَ الْغُلَامُ آيْنَ آيْنَ جَعْفَرُ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَخُذْ عَطَايَاكَ پھر غلام نے آواز دی کہ کہاں ہیں جعفر بیٹے حضرت ابوطالب ابن عبدالمطلب ابن ہاشم کے، قریب آئیں اور امیر سے انعام لیں۔ سدیف نے کہا کہ انھیں بنی اُمیہ سے پوچھو۔ جنگ موتہ میں ان کے ہاتھ کس نے کاٹے تھے۔ فَقَالَ الْغُلَامُ آيْنَ آيْنَ أَوَّلُ النَّاسِ إِسْلَامًا وَاقْدُمُهمْ إِيْمَانًا عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَخُذْ عَطَايَاكَ اچھا پھر کیوں نہیں آتے سابق الاسلام وایمان وصی رسول علی ابن ابی طالب سدیف نے کہا کوئی معاویہ والوں

دیکھیں گے۔ سبحان اللہ ایسا غلام جس کی جنگ دیکھنے کا اشتیاق امام ظاہر کریں۔ یہ وہ غلام تھے جن کو امام کی معرفت زیادہ تھی۔ اس حیثیت سے کہ برسوں آپ کی خدمت میں رہے تھے، اصحاب رسول کے ساتھ رہ کر بچپن سے آپ کی عزت و وقار سمجھتے تھے۔ لیکن ایک غلام سدیف نامی ایسا ہے جو واقعہ کر بلا میں نہ تھا۔ مگر جناب علی اکبر کی خدمت میں کچھ عرصہ رہا تھا، یہ غلام زبان سے نصرت کر رہا تھا۔ شہادت امام حسین علیہ السلام سے چالیس برس بعد احمد بن سفاح کے دربار میں یہی سدیف کھڑا ہوا بنی اُمیہ کو بریدی یاد کر رہا ہے اور بنی ہاشم کے نام پر خون کے آنسو روتا ہے۔ اس سے عباسی شاہ اول نے کہا کہ اے سدیف بار بار یہ میرے دربار میں ان باتوں کا کیا محل ہے، بنی ہاشم اور بنی اُمیہ تو قریب کے رشتہ دار ہیں، ایک پر لعن اور دوسرے پر صلوات بھیجنے کا کیا سبب ہے۔ اُس نے عرض کیا اے شہنشاہ عادل بنی اُمیہ نے وہ ظلم کئے کہ اسلام کو برباد کرتے ہوئے بنی ہاشم کے خاندان کے خاندان کو حلال کر ڈالا۔ بادشاہ نے کہا کہ تو اُن کے منہ پر کہہ سکتا ہے۔ عرض کی ہاں یقیناً السیف بنی ہاشم کو بھی طلب کیجئے اور بنی اُمیہ کو بھی۔ خدا انتقام لیتا ہے تو یوں کہ اس عباسی کو ان دونوں خاندانوں سے کوئی ربط نہیں ہے۔ مگر بادشاہ نے مُنادی کرادی، دونوں خاندان والے خلعت انعام لینے کو موجود ہوئے۔ بادشاہ مُرخ لباس پہن کر دربار میں بیٹھا

بھلا بھی نہ تھا کہ سینے پر سناں سے زخم کھایا فَقَالَ الْغُلَامُ آيُنَ
الْمُظْلُومِ الْعُطْشَانِ آيُنَ الْمَسْلُوبِ الْعُرْيَانِ آيُنَ الذَّرْبِ
الْمُتَعَقِّانِ حُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ غلام نے کہا کہاں ہے
مظلوم و تشنہ لب کہاں ہے موء جس کا لباس بعد شہادت اتار لیا گیا، نعش
اس کی عمریاں رہی۔ سُدیف نے اپنا منہ پیٹ لیا کہ ارے حسین کو تو قتل کر
کے بھی عداوت نہ گئی۔ انھوں نے لاشے پہ گھوڑے دوڑائے۔ یہ سننا تھا
کہ سفاح زار زار رونے لگا اور فوراً چار ہنر زنی اُتبیہ کو سرور بار قتل کیا۔
مگر یہ غلام اگرچہ خدمت میں کم رہا تھا، مگر خانہ امام میں تو رہا تھا۔

اب ایک غیب کے غلام یعنی زبیر بن قین کے غلام کا حال سنیں۔ زبیر بن
قین جب مکہ سے آگے بڑھے اور حسینی قافلے سے ان کا سامنا ہوا تو امام
نے طلب نصرت کے لیے ایک رقعہ کے ذریعہ سے انھیں اُن کے نصیب سے
طلب فرمایا، زوجہ بیٹی بھتی پوچھا یہ نام کس کا ہے۔ کہا امام نے نصرت
چاہی ہے۔ کہا پھر کیا ارادہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں یہ اسباب اور
مخصوصاً تم کو کسی پھوپھوڑوں جو مدد کرنے کو جاؤں یہ سننا تھا کہ زوجہ
نے کہا واہ اے زبیر یہ امید نہ تھی، ارے فاطمہ کا لالہ ملائے اور تم نہ
جاؤ، میں بھلے بڑے کس طرح اپنی زندگی بسر کر لوں گی۔ میرا خیال نہ کرو۔

بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ زبیر زوجہ کو چھوڑ کر امام کے ساتھ
ہوئے بعض کہتے ہیں زوجہ اور غلام نے ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ یہ کہلا میں
موجود تھے یہاں تک کہ امام شہید ہوئے اور دھڑنچ کے بابوں کی آواز

سے دریافت کرے صفین کی جنگ برپا کر کے پھر ابن ہشام کے ذریعہ کس نے ان
کو مسجد میں شہید کر دیا فَقَالَ الْغُلَامُ آيُنَ آيُنَ حَسَنِ ابْنِ
عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ هَاشِمٍ هَلُمَّ الْيَتَامَى
وَحَدَّ عَطَايَا پھر کہا غلام نے کہاں ہیں کہاں ہیں حسن ابن علی ابن ابی
طالب آئیں اور امیر سے انعام لیں۔ سُدیف نے ایک نعرہ مارا
کہ ہائے اُن کو بھی تو معاویہ نے زہر دلو اُن کے گلے کو چھلنی کر ڈالا
فَقَالَ الْغُلَامُ آيُنَ آيُنَ مُسْلِمِ ابْنِ عَقِيلٍ هَلُمَّ الْيَتَامَى وَحَدَّ
عَطَايَا۔ پھر کہا غلام نے کہاں ہیں، کہاں ہیں مسلم ابن عقیل قریب
آئیں اور امیر سے انعام لیں۔ سُدیف نے کہا یہ ایک مظلوم کا نام ہے
تھا جس کی لاش کو بنی اُتبیہ نے بازار کو فرس تشریر کیا۔ فَقَالَ الْغُلَامُ
آيُنَ آيُنَ عَبَّاسِ ابْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ هَلُمَّ الْيَتَامَى
وَحَدَّ عَطَايَا۔ غلام نے پکار کر کہا۔ اے بہادر بے نظیر
والے قوت بازوئے شبیر تم کہاں پوشیدہ ہو۔ سُدیف نے کہا یہ سامنے
جو ظالم کھڑے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ کیا سے بہشتی نے مشک بھر کر
کیا گناہ کیا جو دونوں ہاتھوں کو کاٹ ڈالا۔ فَقَالَ الْغُلَامُ آيُنَ
آيُنَ أَشْبَهُ النَّاسِ خُلُقًا وَخُلُقًا بِرَسُولِ اللَّهِ عَلِيٍّ ابْنِ
الْحُسَيْنِ هَلُمَّ الْيَتَامَى وَحَدَّ عَطَايَا اے رسول اللہ کی تصویر
اے حسین کی آنکھوں کے نور، اے علی اکبر تم کس پر دے میں ہو۔
سُدیف نے ہائے میرا آقا کہہ کر ایک آہ کی کہ میرا شاہزادہ تو چھوٹا

وہ اُس گروہ کے ساتھ مشور ہوں گے جن پر خدا نے اپنی نعمتوں کا انعام کیا ہے (اور وہ نعمت پانے والے) انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ہیں اور پھر خود ہی خداوند عالم، اس رفاقت کی تعجباتہ لہجے میں تعریف کرتا ہے: وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ مَا يَفْقَهُوا کیا اچھی یہ رفاقت ہے ایک طرف خدا و رسولؐ کے اطاعت گزار بندوں کا مجمع اور ایک طرف انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین۔ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص تومرتبہ کہے: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ خداوند عالم اس کا نام دیوان صدیقین میں تحریر فرماتا ہے اور اس کو صدیقین کا ثواب مرحمت کرتا ہے اور جتنے حرف اس تسبیح میں ہیں ہر حرف کے عوض میں ایک نور اس کے لیے صراط پر عطا ہوگا، اور وہ جنت میں رفیق جناب خضر ہوگا۔

تفضل ہے جناب باری کا اُمت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ صرف سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اتنے مختصر الفاظ اور اُن کی تومرتبہ تلاوت کرنے کے بعد وہ صدیقین کا مرتبہ عطا فرماتا ہے، اور جناب خضر سے حبیب القدر پیغمبر کا رفیق قرار دیتا ہے۔ یہ استحقاق نہیں ہے بلکہ محض تفضل و عطا ہے درہ صدیق الیسا اہتم بالشان لقب ہے جو اُس نے اپنے احباب کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ انبیاء میں چند بزرگ ہیں جن کو صدیق کہا گیا جناب یوسفؑ، جناب ابراہیم علیہ السلام، جناب ادریسؑ اور جناب اسماعیلؑ

بلند ہوئی ادھر زوجہ نائیر خیمے کے دروازے پر آئیں، غلام سے پوچھا یہ بابے کیسے بچتے ہیں، اُس نے کہا اے میری مالکہ حسین علیہ السلام کو ذبح کر ڈالا، کہا اے غلام انصاف کر تو معلوم ہوگا کہ تیرے آقا کی شہادت کی میں ہی بانی ہوں، فوج آتی ہوگی لے یہ چادر لے اور جا کر زبیرؓ کی لاش پر ڈال دے نہیں معلوم کفن تک نصیب ہو یا نہ ہو۔ غلام چادر لے کر گیا اور روتا ہوا واپس آیا۔ پوچھا کیوں اپنے مالک کو کفن دے گا، غلام نے کہا گیا تو تھا اسی ارادے سے مگر بی بی وہاں تو بہتر لاشے کفن کے محتاج ہیں۔ مجھے حسین علیہ السلام سے شرم آتی ہے کہ وہ بے گور و کفن رہیں اور میں اپنے آقا کو کفن دوں۔ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَكُمْ فَاَفُودُ فَوُزَعًا عَظِيمًا

سولہویں مجلس

فضائل و وفات جناب سیدہ سلام اللہ علیہا

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ الْيُسُفَى وَهُوَ أَحَدُ الصَّادِقِينَ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ قَدْ أَوْلَيْتُكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ مَا يَفْقَهُوا آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو خدا و رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں

لیکن صفوف انبیاء سے قطع نظر کرتے ہوئے بہت کم وہ لوگ ہیں جن کو اس نے صلیق کہا ہے۔ صلیق اپنے معنوں میں معصوم کے مترادف ہے لہذا یہ وہ جامہ ہے جو سوائے اہل عصمت کے کسی جسم کے لیے زیب نہیں ہے جب اُس نے کسی کو صلیق کہہ کے یاد کیا تو وہ عصمت ہی کے جامے میں نظر آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کہ اُس نے عورتوں میں بس اُن کی مادر گرامی کا تذکرہ صلیق کے لقب سے فرمایا، اور ارشاد کیا "مسیح ابن مریم" نہ تھے مگر ہمارے رسول جن کے قبل بہت سے رسول گذر چکے ہیں اور اُن کی ماں صدیقہ تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ قبل اس آیت کے کفر کی مذمت کی گئی ہے اور تذکرہ ہے کہ نصاریٰ عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ بہر حال آیت نے توضیح کی ہے کہ عیسیٰ کچھ بھی نہ تھے، بس وہ ایک رسول تھے جس طرح اُن سے پہلے بہت سے رسول تمھاری طرف آپکے تھے جو تم سمجھتے ہو اور اہل بیت جناب عیسیٰ کے قائل ہو وہ غلط ہے۔ عیسیٰ بس ہمارے رسول تھے اور اُن کی ماں صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹے کھایا کرتے تھے اس میں شک نہیں کہ حضرت مریم کا خدا کے نزدیک بڑا مرتبہ ہے اُس نے اُن کو صدیقہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ حضرت مریم ہی وہ عورت تھیں جن کے لیے جنت کے میوے آتے تھے اور وہ بے فصل کے میوے ہوتے تھے۔ حضرت ذکر کیا اُن میوؤں کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے جب جناب ذکر کیا حضرت مریم کی محراب عبادت میں داخل ہوتے تھے

اور اُن کے پاس میوہ ہائے جنت ملاحظہ فرماتے تھے تو تعجب سے پوچھتے تھے "یا مَرْيَمُ اَنْتِ كَلِمٌ هَذَا" اے مریم یہ میوے تمھارے پاس کہاں سے آئے، قَالَتْ هِيَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ اِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ حضرت مریم فرماتی تھیں یہ خدا کا عطیہ ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے، بہر حال جناب مریم وہ تھیں جن کے لیے جنت کے میوے آتے اور یہ ان کے فخر کے لیے کافی ہے۔ مگر آخر خدا نے کسی وجہ سے اُن کی احتیاج طعام کا ذکر فرمایا ہے۔ "كَانَ يَأْكُلُ مِنَ الطَّعَامِ" وہ دونوں کھایا کرتے تھے۔ لیکن کیا مرتبہ ہے اہلیت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، کہ تمام قرآن آپ دیکھ ڈالیں کہیں اُن کے اکل کا تذکرہ نہ ملے گا۔ اگر کہیں دیکھتے گا۔ تو وہ مقام جہاں خدا کی راہ میں اُٹھنے والے ہیں۔

وَيُطْعَمُونَ مِنَ الطَّعَامِ عَلَى حُبِّهِمْ مَسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا

جناب مریم کے لیے طعام جنت اور میوہ ہائے جنت آتے تھے اور اُس پر جناب ذکر یا علیہ السلام کو تعجب ہوتا تھا، اور جناب صدیقہ طاهرہ فاطمہ زہرا کے لیے بھی جنت کے میوے بارہا آئے اور یہ وہ شرف ہے جس کے دشمن بھی مقرر ہیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول خدا کو دیکھا قریب تھا کہ آپ کو بھوک سے عیش آجائے اور مسجد سے اُٹھ کر اہلیت کے پاس آئے مگر

کچھ میسر نہ آیا۔ سب کے آخر میں خانہ فاطمہ زہرا میں تشریف لائے اور دروازے سے پکارا بیٹی تم اجازت دیتی ہو کہ باپ آئے۔ فاطمہ زہراؑ محراب عبادت میں بیٹھی تھیں۔ عرض کی بابا اگر آپ تنہا ہوں تو چلے آئے رسول خدا تشریف لائے فرمایا اَللّٰہُ عَلٰی شَیْءٍ اَکْبَرُ فَانْفِثْ جَائِشٌ کیوں بیٹی تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے کیونکہ بھوک سے پیچیدہ ہوں۔ کہا، یا با خدا کی قسم کچھ نہیں ہے۔ رسول خدا وہاں سے بھی چلے، ادھر رسول خدا باہر تشریف لائے۔ ادھر دروازہ آہستہ سے کھلا اور کنیز نے دسترخوان چن دیا، فاطمہ نے رسول خدا کو خبر کی۔ آپ تشریف لائے اور خاصہ کو ملاحظہ کر کے شکر فرمایا اور پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ سیدہ نے کہا میرے خدا نے مجھے دیات اللہ یَوْمَئِذٍ مِّنْ تَشَاءُ عَرِیضٌ حِسَابٌ خدا جسے چاہتا ہے بے حساب پہنچا دیتا ہے، رسالت مآب نے فرمایا الحمد للہ کہ میں نے اپنی بیٹی سے وہ کرامات دیکھے جو جناب زکریاؑ نے حضرت مریمؑ سے مشاہدہ کئے تھے، خدا نے میری بیٹی کو مرتبہ مریمؑ عطا کیا۔ مگر میں عرض کرتا ہوں کہ مریمؑ کے لیے اگر طعام جنت آیا تو وہ خود اُن کی تربیت نفس کے لیے تھا اور ان کی غذا اُسے بدل تھا۔ مگر سیدہ عالم نے فائقے کئے اور اُن کے بچے بھوکے رہے اور انھوں نے کبھی اپنے لیے نہیں مانگا، اور اگر مانگا تو خدا کے رسولؐ کو بھوکا دیکھ کے سوال کیا، اور یہی وجہ ہے کہ جناب مریمؑ کا ذکر یوں ہوا وَكَانَ يَأْكُلُ لَاحِنَ الطَّعَامِ اور اہلبیت رسولؐ کے لیے کہیں

اس قسم کا تذکرہ نہیں ہے۔ جناب مریمؑ کی تربیت جناب زکریاؑ نے کی وَكَانَ يَأْكُلُ لَاحِنَ الطَّعَامِ اور صدیقہ طاہرہ کی تربیت اُس کے حبیبؑ نے کی جو حضرت زکریا علیہ السلام سے بہتر و افضل تھے۔ جناب مریمؑ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے زیادہ خوب صورت تھیں، جب نماز کے لیے قیام فرماتی تھیں تو تمام محراب عبادت اُن کے نور سے روشن ہو جاتی تھی۔ اسی طرح جناب سیدہ کو خداوند عالم نے ایسا نور عطا فرمایا تھا کہ اُن کا نور صبح کو یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے آفتاب، اور زوال کے وقت مثل قمر، اور غروب کے وقت مثل ستارے کے ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ مولا آپ کی جدہ ماجدہ کو زہرا کیوں کہتے ہیں، آپ نے فرمایا اس لیے کہ خدا نے جنت میں اُن کے لیے ایک قبہ معین کیا ہے جو باقیات سرخ کا ہے۔ شان اُس قبہ کی یہ ہے کہ وہ بالائے ہوا بلند ہوا اور ایک سال کی راہ تک پہنچ کے بالائے ہوا معلق ہو گیا، نہ کوئی علاقہ ہے جس سے وہ قبہ اپنی مافوق کسی شے میں ویزاں ہو۔ اور نہ اُس کے تحت میں کوئی ستون ہے جس پر وہ قبہ رکھا ہوا ہو۔ اُس قبے کے ہزار دروازے ہیں ہر دروازے پر ہزار ملائکہ نگہبان ہیں۔ اہل جنت جو اُس قبے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو اُن کے لیے اُس قبے کی وہی شان ہوتی ہے جیسے اہل دنیا کیلئے آفتاب وہ قبہ کو کب دُوری کی طرح چمکتا ہے اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب دنیا کو حشر کی گرم بازاری سے نجات ملے گی اور اہل جہنم

دوزخ میں جا چکیں گے، اور اہل بہشت اپنے تختوں پر جا بیٹھیں گے اور لباس حریر سے نازک جسموں کی زینت ہو جائے گی، اس وقت جنت میں ایک نور کی بجلی ایسی چمکے گی کہ آنکھیں خیرگی کرنے لگیں گی۔ اہل جنت درگاہِ خدا میں عرض کریں گے کہ اے نار و جنت کے مالک۔ اے صادق الوعد تو نے فرمایا تھا کہ جنت میں نہ تورات ہی ہوگی اور نہ آفتاب ہی ہوگا، مگر اے مالک یہ نور کیسا ہے۔ یہ سن کر حامل وحی آواز دیں گے کہ اے اہل بہشت یہ نور آفتاب و مہتاب نہیں ہے بلکہ علی وفاطہ کو جنت کی کسی شے کو دیکھ کر تعجب ہوا اور وہ مسکرائے یہ ان کے دانتوں ... کی چمک ہے جس کی ضیائے تمام جنتیں روشن کر دیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جنت کی کون سی شے ہے جس کو دیکھ کر علی وفاطہ کو اتنا تعجب ہوا کہ وہ ہنس پڑے تعجب اُسی شے کو دیکھ کے ہوتا ہے جو کبھی نہ دیکھی ہو، یا اپنے اور اک سے مافوق ہو۔ امیر المومنین قسم جنت تھے جنت ان کے لیے بنائی گئی تھی اور پھر شرب معراج جنت کی سجاوٹ رسول کی زبانی سن چکے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جنت کی کون سی شے ان آنکھوں سے ایسی عجیب معلوم ہوئی ہو کہ لبوں پر ایسی مسکراہٹ آئی اور ساکنان جنت کی آنکھوں میں بجلی چمکنے لگی۔ جس وقت یہ نور ظاہر ہوا ہے اس وقت کی خصوصیت سے خیال ہوتا ہے اور ممکن ہے صحیح ہو۔ روایت میں ہے کہ ادھر اہل جنت اپنی منزلوں میں پہنچے اور ادھر انھوں نے یہ نور دیکھا

میرا خیال ہے کہ دوستوں کو راحت سے اچھی طرح اپنی اپنی منازل میں دیکھ کے ان حضرات کو مسرت ہوئی۔ اس لیے کہ رحمت سے بادشاہ کو سرور ہوتا ہے اور اس مسرت سے لبوں پر مسکراہٹ آئی اور اہل جنت پر اُس نور کی چھوٹ پڑی، جیسے آفتاب چمک جاتا ہے اور تمام جنت روشن ہو گئی۔ بہر حال یہ تو میں نے چند چیزیں جناب مریم کے حسن سے تقابل کرتے ہوئے اپنی شاہزادی کے جمال سے متعلق عرض کیں ورنہ جنت میں اُن کے درجات کی کیا شان ہوگی، وہ نہ بیان کر سکتا ہوں ورنہ میری زبان میں اتنی طاقت ہے۔ یہ وہ ذاتیں ہیں جن کے لیے سطح زمیں اور فرش جنت برابر تھا۔ جنت میں پہنچ کے جتنے اہل جنت ہیں وہ سب جنت کی نعمتیں پائیں گے، دیکھنا یہ ہے کہ عالم میں بہت کم ایسے افراد ملیں گے جن کی وجہ سے سطح زمین قطعہ جنت ہو جائے اور وہ اہمیت کی ذات تھی جو جنت کی ہر شے کی کشش کا باعث تھی۔ عالم بالا کی کل چیزیں اپنے اپنے مرکز چھوڑے ہوئے ادھر جھکی پڑتی تھیں جناب مریم مادر جناب عیسیٰ جن کا ابھی آپ کے سامنے تذکرہ تھا، ان کے لیے اگر ہوا تو صرف اتنا کہ جنت کے میوے آئے اور دنیا میں وہ مخطیہ طعام جنت سے سیر ہوئیں لیکن یہ نہ تھا کہ آسمان کی ہر شے کا مرکز بیت الشرف جناب مریم ہوگی۔ سو یہ شرف مخصوص تھا جناب محصور کے لیے، کہ بیت الشرف آسمانی چیزوں کا مرکز تھا، اور کیوں نہ ہوتا اس لیے کہ یہ خود نور ہی، ان کا گھر نور کا،

جو دیکھتی ہے تو ایک نور ہے جو آسمان تک ساطع ہے۔ وہاں یہودی کا گھر سیدہ کی چادر سے روشن ہو رہا ہے، اور آپ یہاں صلوٰۃ سے اپنے دلوں کو روشن کیجئے۔ بہر حال سیدہ کی چادر کو پیوند دار سمجھ کے ذیل نہ سمجھیے۔ چادر سیدہ محشر میں شیعان علیؑ کو بخشوا دے گی جس کی خبر رسول خداؐ نے دنیا ہی میں دے دی ہے۔ فرمایا ہے کہ میری بیٹی فاطمہؑ جس وقت عرصہ محشر میں آئے گی اور اس کی چادر کے گوشے پھیلے ہوں گے تو ہزاروں دوستان فاطمہؑ چادر کا ایک ایک تار پکڑ کر نجات پائیں گے۔ عہددارانِ حسینؑ جس کی چادر کی منزلت یہ ہو کہ اُس سے لوگ نجات کی منزل میں پہنچ جائیں اُسی کو اشیانے کس طرح اُڑا لڑا کے مارا، کیا یہ کہوں کہ سیدہ کے دروازے پر آگ لائی گئی، علیؑ علیہ السلام کے گھر میں رسی باندھی گئی، سیدہ عالم گھر سے یہتی ہوئی نکلیں کہ علوہا ابنا الحسن۔ ارے چھوڑ دو ابو الحسنؑ کو نہیں تو میں اپنے سر کے بال کھولے دیتی ہوں۔ سلمانؑ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابھی سیدہ نے قسم لی کیا تھا، ابھی بال کھولے نہ تھے لیکن اس پر عالم تھا کہ مسجد نبویؐ کی دیواریں اس قدر بلند ہوئیں کہ اگر کوئی چاہتا تو ان کے نیچے سے گزر جاتا۔ اب نہ معلوم خدا کی کیا مصلحت تھی کہ انھیں کی بیٹیاں بازارِ کوفہ و شام میں اس شان سے پھرائی جا رہی تھیں کہ ایک منادی پکار پکار کر کہہ رہا تھا یا اهل الكوفة والشام هذه سبايا من بنات رسول الله احرم علی اللہ۔

ان کے لباس نورانی۔
ابھی میں نے یہ عرض کیا کہ یہ نورانی تھے اور ان حضرات کا گھر بھر نورانی، اور اگر نورانی نہ ہوتا تو فلکی ملک کبھی آستانہ اہلبیت پر قدم نہ رکھتا۔ عالم میں اگر آپ ڈھونڈھ ڈالیں گے تو سوائے اہلبیت کے دروازے کے کہیں یہ شرف آپ کو ہرگز نہ دکھائی دے گا کہ ملائکہ خدمت گزار کرتے ہوئے نظر آئیں۔ نہ پائیں گے۔ آپ دروازے پر کسی ملک کو کچھ خریدتے ہوئے، کچھ بیع کرتے ہوئے مگر اہلبیت کے دروازہ پر آپ کو ملائکہ ہر صورت میں نظر آئیں گے کبھی سیدہ کی چلی پلستے ہوئے، کبھی حسینؑ کا جھولا جھلاتے ہوئے، کبھی علیؑ کی پاسبانی کرتے ہوئے، کبھی یتیم کی صورت میں مانگتے ہوئے، کبھی فقیر کی شکل میں سوال کرتے ہوئے۔ کبھی اسیر کی صورت میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کبھی بائع کی شکل میں آواز لگاتے ہوئے، کبھی خریدار کی صورت میں مال خریدتے ہوئے آپ کو یہ ملک ان صورتوں میں کہیں نہ ملیں گے، مگر در اہلبیت پر جس شکل میں چاہے دیکھ لیجئے۔ ملک کو بیع خواں بھی، ملک کو قصہ گو بھی ملک کو خدمت گزار بھی، ملک بائع بھی، ملک مشتری بھی۔ بہر حال ان حضرات کا لباس بھی نورانی! سیدہ کی چادر کو پیوند دار سمجھ کے ذیل نہ جانے گا وہ بخشوا دے گی، آپ اُس کی نورانی حد کو کیا دیکھئے گا، آپ کو شوق ہے تو شمعون یہودی کے گھر تک چلے چلئے، امیر المومنینؑ ابھی چادر پہن رکھ کے جا رہے ہیں، شمعون کی زوہرہؑ سے اندر جا کے

بہر حال جب امیر المومنین علیہ السلام نے یہ رنگ دیکھا تو پکار پکار کر کہا، اے سیدہ بنتہ اُمّت پر رحم کرو۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ مدینے والے زندہ رہیں، علیؑ کو خدا پر چھوڑ دو۔ گھر پلٹ جاؤ۔ فاطمہؑ اسی غیر متنبہ بی بی کے دل سے کوئی پوچھے کہ اُن معظّمہ نے نامحرموں سے کیونکر گفتگو کی۔ امیر المومنینؑ کے اسیر کرنے کو لوگ دروازہ توڑ رہے ہیں، اور سیدہ عقبہ درگھڑی ہوئی فرما رہی ہیں، کہ ارے کیا مجھ کو اور میرے بچوں کو جلا دو گے، ایک ملعون نے دروازے کو بسے زور سے دبا یا کہ پہلو سیدہ کا شکستہ ہو گیا حضرت محسنؑ شکستہ مبارک میں شہید ہو گئے۔ آپؑ نے پسلیاں تھام کے فریاد کی یا ایتنا کہ یا رسول اللہ اے چلبے والے باپ بیٹی کی مدد کو آئیے۔ فقط غلام نے تازیانہ اٹھا کر وہ ظلم کیا کہ فاطمہؑ کھڑے قدم سے گر پڑیں۔ ادھر لوگوں نے مشکل کشا کو اسیر کر لیا۔ غرض کہ اسی صدمے سے آپؑ نے فرش بیماری آباد کیا، چالیس روز مسلسل علیل رہیں۔ ایک روز امیر المومنینؑ علیہ السلام نماز نظر ادا کر کے گھر میں آ رہے ہیں۔ ملاحظہ کیا کہ صحن خانہ میں فضا سر کھولے ہوئے ہے۔ جناب فاطمہؑ کی بیٹیاں منہ پٹانچے مار رہی ہیں، پوچھا آخر اس کا کیا سبب ہے۔ غرض کہ بابا بس اب کچھ نہ پوچھیے۔ اماں کے حجرے میں جالیے، اب وہ وقت ہے کہ نانہا کے بعد ماں کا سایہ بھی ہمارے سر سے اٹھ جاوے۔ آپؑ دوڑ کر حجرے میں تشریف لائے، دیکھا سیدہ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہوئے

بیہوش ہیں۔ کبھی دامن پاؤں بڑھا دیتی ہیں کبھی بایاں، پیشانی پر ہلکا ہلکا پسینہ آچکا ہے۔ امیر المومنینؑ علیہ السلام نے خور سے دیکھا اور عمامہ سر سے اتار کر پھینک دیا، گریبان چاک کر ڈالا۔ سر ہانے بیٹھ کر سر آغوش میں لے لیا، شانہ ہلا کر کہا، اے رسولؐ کی بیٹی علیؑ آیا ہے کچھ بات کرو۔ سیدہ نے جواب نہ دیا۔ آپؑ نے پھر پکارا، اے النبیہ حور! ہم کب تک پکاریں۔ تمھاری خاموشی دل توڑے دیتی ہے۔ پھر کوئی جواب نہ ملا۔ آپؑ نے پھر آواز دی۔ اے سیدہ تمھارا ابن عم تمھیں پکار رہا ہے جواب کیوں نہیں دیتیں۔ اب سیدہ نے آنکھیں کھول دیں، امیر المومنینؑ علیہ السلام کی حالت دیکھ کر رونے لگیں، اماں بھی چیخیں مار کر روئے۔ سیدہ نے گم ہوتی ہوئی آواز سے کہا، اے ابو الحسن میرا زمانہ وفات قریب ہے۔ میری وصیتیں سن لو ایسا نہ ہو کہ دل کی حسرت دل ہی میں رہ جائے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا اے سیدہ ابھی تو تمھارا پس بھی ایسا نہیں ہے۔ تمھیں موت کا کیونکر یقین ہوا، کل اٹھارہ سال چھتر دن کا سن ہے۔ عرض کی ہاں یہ سچ ہے۔ مگر میں نے اپنے والد بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ وہ جناب ایک قصر مزید میں رونے افروز ہیں میں روتی ہوئی گئی ہوں کہ بابا اتنے دنوں سے آپؑ کہاں تھے کہ میں دیکھنے کو ترس گئی۔ جواب میں فرمایا کہ بیٹی یہیں بھی تم سے ملنے کا اذہد شوق ہے سیدہ غم نہ کرو آج ہم اور تم ایک ہی جگہ ہوں گے۔ اس خواب نے مجھے یقین دلایا اے ابو الحسن میری پہلی وصیت یہ ہے کہ گواہ رہیے گا۔ (انشاء اللہ ان لا الہ الا اللہ

دیکھا کہ بند کفن ٹوٹ گیا۔ سیدہ نے ہاتھ پھیلا دیئے کہ آؤ میرے
کلیجے کے ٹکڑو، آؤ آخری بار ماں کے گلے مل لو۔

امیر المومنین علیہ السلام سے شفیق باپ موجود تھے، حسینؑ کو
کس دلا سے اور نرمی سے سینہ سیدہ سے جدا کیا ہوگا۔ اولاد والو
حسینؑ کی لاڈلی بیٹی گیا رھویں شب کو اپنے باپ کے سینے سے
لپٹی۔ زخمی گلے کے بوسے لے لے کر اپنی نصیبتیں سنار ہی ہے
بابا ہم کو شمر نے طمانچے مارے، لوں چیر کر گوشوارے اتار لیے شمر
تازیانے لے کر قریب آ گیا۔ اُس بچی کو نعش حسینؑ سے جدا کرنے لگا
وہ صاحبزادی اپنے باپ کو نہ چھوڑتی تھی۔ شمر نے جھنجھلا کے
تازیانے سے ایسی افیت دی کہ وہ بچی زمین پر پچھاڑیں کھانے
لگی، اور اپنے باپ کی لاش چھوڑ دی۔

ذائقہ ماتم العزت جہل مجلس شبیر | مصنفہ:- ذاکر آل عباد احیاء الشہداء
سید وزیر حسین رضوی الشہدی۔

یہ نظم و نثر کی مشورہ معروف کتاب نہایت ہی نفیس ہے۔ احوال اہلبیت سے
بہرہ مند ہونے کے لئے تاثیر کامل رکھتی ہے یکم محرم سے یکم چہلم تک کی سلسلہ وار
محاسن درج ہیں۔ بدیہ مناسب۔

ملنے کا پتہ:- امامیہ کتب خانہ مغل حویلی، موچی دروازہ، لاہور۔

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، اور دوسری خواہش یہ ہے کہ ہم
تم برسوں ایک ساتھ رہے ہیں۔ اگر اتنے زمانے میں مجھ سے کوئی خطا
ہو گئی ہو تو اُسے محل کر دو۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے مجھے
صدمے دیئے ہیں انھیں میری لاش پر نہ آنے دینا چوتھی وصیت
یہ ہے کہ اے ابوالحسن اگر تم اپنا عقد کرنا تو میں سفارش کرتی ہوں
کہ میری خالہ زاد بہن کے ساتھ کرنا۔ اس لیے کہ وہ میرے مکسن بچوں
کا زائد خیال رکھیں گی، اور اگر کسی سے عقد کرنا تو ایک رات
اس کے گھر میں رہنا اور دوسری شب میرے بچوں کے ساتھ بسر
کرنا۔ پانچویں وصیت یہ ہے کہ اے ابوالحسن میرے بچے ابھی کم
ہیں۔ نانا کے مرنے سے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میری مفارقت
کا انھیں اور بھی رنج ہوگا۔ شاید کسی وقت یہ کوئی خطا کریں تو اے
ابوالحسن انھیں بن ماں کے بچے جان کر سزا نہ دینا۔ یہ وصیتیں کر کے
آپؑ نے انتقال کیا۔ کنیز خاص فضہؓ اور امیر المومنینؑ غسل کی جانب
ہوئے، بنی ہاشم کی عورتیں سینہ زنی میں مصروف ہوئیں، یہاں تک
کہ غسل کے بعد کفن پہنایا، اور امیر المومنینؑ نے آواز دی، اے زینبؓ
وأم کلثومؓ اور حسینؑ لو آؤ، اب ماں قبر میں جاتی ہیں، آخری بار جی
بھر کر دیکھ لو، حسینؑ بڑھے، حسنؑ نے دیکھا کہ سیدہ کفن پہنے لیٹی ہیں
منہ پر منہ رکھ دیا، حسینؑ نے قدموں پر سر رکھ دیا اور تڑپ تڑپ
کرونے لگے۔ امیر المومنین علیہ السلام قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں نے

سترھویں مجلس

ہدایت کیونکر کرنا چاہیے؟ رسول اللہ نے کس طرح ہدایت کی سوادہ بن قیس کا قصاص کے لیے آمادہ ہونا اور مصائب امام حسین علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَكِيمِ أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ يَا حَكِيمَةً وَالْمَوْعِظَةَ الْحَسَنَةَ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ طَرِيقَ رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ هـ

”اے رسول! ہماری راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ بلاؤ، اور جب ان سے بحث و مباحثہ کرو تو اس طریقے سے جو بہتر ہو، اور ان امور سے جو اچھے امر ہوں۔ بیشک ان لوگوں کو جانتا ہے جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اور ان سے بھی واقف ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ آیت جس کے معنی مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے ادا کئے گئے، دعوت حق دینے والوں اور ہدایت کرنے والوں کے لیے خود ہدایت ہے۔ وہ خدائے بزرگ و بزرگتر جس نے ایمان والوں پر اچھی

باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا واجب کر دیا ہے، ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جس طریقے سے بھی بندے پسند کریں۔ دعوت خیر دیں جس طرح سے بھی چاہیں لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کریں۔ بلکہ اُس نے وہ طریقہ بتایا ہے جس کے سبب سے ہدایت میں آسانی ہو اُس نے وہ طریقے سکھائے ہیں جس کے بعد لوگوں کے دل خود بخود کھینچنے لگیں۔ ہدایت کرنا یوں کہ دوسروں کو بُرا کہا جائے۔ تعلیم دینا یوں کہ ان کے اعتقاد کی مذمت کی جائے۔ ہرگز اپنا اثر نہیں دکھاتا۔ بلکہ سب سے پہلے اپنے عادات اپنے اخلاق اور اپنے حسن سیرت سے دیکھنے والوں کو گرویدہ کرنا چاہیے اپنے کو اپنے مذہب کی کامل نظیر بنانا چاہیے۔ اس کے بعد اچھی باتیں حکمت کے ساتھ موعظہ کے ساتھ سکھانا چاہیے۔ اگر آپ کسی کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو یوں آپ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے کہ جاتے ہی آپ اس کو کالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ طریقہ آپ کو آپ کے مطلب سے بہت دور کر دے گا۔ اگر تعصّب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو میں کہتا ہوں کہ دنیا کا ہر کوئی مذہب ہرگز ہرگز گمراہی کا طالب نہیں۔ اس کی عقل کہتی ہے اُس کا دل حکم کرتا ہے۔ اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں کہ میں حق تلے اور حق کی راہ ملے، اسے آپ بالکل یقین کر لیں کہ یہودی ہوں یا نصرانی ہندو ہوں یا مسلمان سُنی ہوں یا شیعہ، کوئی بھی گمراہی اور ضلالت کا خواہاں نہیں ہے۔ ہر شخص اُسی راستہ پر چل رہا ہے جو اُس کے نزدیک سیدھا راستہ ہے۔ بہر حال دنیا کے تمام لوگ یقیناً طالبانِ حق

ہیں۔ ہرگز وہ ضلالت کو نہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ کوئی ان میں سے حق تک پہنچ گیا ہے اور کوئی ان میں سے بہک گیا ہے اور کہیں خدا تک پہنچنے کے جو ذریعہ تھے انھیں خالی مان لیا گیا ہے۔ بھلا یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ انسان اور وہ انسان جو اپنی عقل کے ذریعہ سے زمین کی تہ میں دھنس جانا آسان جانتا ہو، جو اپنے فہم سے آسمان پر اڑ کر پہنچ جانا سہل سمجھتا ہو، مردوں تک کو زندہ کر دینے کا مدعی ہو، وہ غلطی اور ایسی صریح غلطی کرے کہ پہلے ہاتھوں سے پتھر کاٹے اور پھر ان سے بُت تراشے اور ان کے سامنے تسلیم جھکا کے ان کو اپنا خالق کہنے لگے۔ کیسی عجیب و غریب بات ہے اور ظاہری نظریں کیسے لغو امور میں بگرنیں ذرا ابتدا پر غور فرمائیے تب اصل حال روشن ہو جائے گا، وہ ترشے ہوئے بُت جو اس وقت صنم خانہ عالم میں عبودیت سے ہوتے ہیں، زمانہ سابق میں مخصوص خدا تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیے گئے ہیں عقلمندوں نے جس وقت جاہلوں کو راہ ہدایت دکھانا چاہی تو بہتر ذریعہ ان کے سمجھانے کا یہ قرار دیا کہ پتھر سے ایک بہت ہی خوفناک شکل تراشی جس کو خدا کے غضب کی نظیر قرار دیا۔ اور ایک بہت ہی حسین بُت بنایا، جس کو خدا کی رحمت کی شبیہ قرار دیا۔ اسی طرح سے مختلف اجسام مختلف صورتوں کے بنائے اور ان کو خدا کی ایک صفت کا کرشمہ بنایا، لوگ آنے لگے اور ہر ایک بُت کے سامنے گزریں جھکا جھکا کر ان کو محض تصویرِ رحمت یا تصویرِ غضب سمجھ کر خدا سے اپنی حاجتیں طلب کرنا

شروع کیں اور خدا نے ان کے خلوص کی وجہ سے ان کی تمنائیں پوری کیں ایک مدت تک یہ طریقہ جاری رہا۔ ان کے بعد ان لوگوں کی اولادیں یہی کرتی رہیں۔ آخر ہوتے ہوتے ایک دن وہ بھی آگیا کہ جب لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ درحقیقت یہی بُت ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں اور جو ذریعہ حق تھا اُس کو حق سمجھنے لگے اور خدا کو بھول گئے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بُت پرستی کی ابتدا کیونکر ہوئی اور لوگ کیونکر گمراہ ہوئے۔ دراصل انھوں نے خدا کی تلاش کا ایک ذریعہ بنایا تھا جو آخر میں گمراہی کا سبب ہوا، اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ خدا کی ذات ہم سے بہت بلند ہے اور ہم اُس ذات سے بہت پست ہیں۔ ہم مادی وہ خالق۔ بھلا ہماری کیا مجال کی طاقت کہ اُس کو پاسکیں۔ اُس سے واقف ہو سکیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ذریعہ کوئی واسطہ ہو جس کی خدا تک رسائی ہو اور جن تک ہم بھی پہنچ سکیں۔ اس ذریعہ کو کسی نے ایسا بنایا کہ جو خود موجب ضلالت ہو، اور کسی نے ایسا بنایا کہ جو سبب ہدایت ہو۔ جو لوگ گمراہ تھے۔ وہ وہ تھے جنھوں نے اپنی عقل سے ذریعہ پیدا کیا اور جن لوگوں نے ہدایت پائی وہ تھے جنھوں نے خدا کے معین ذریعہ سے تمسک کیا، حق کے طالب سب ہی ہیں مگر خدا تک رسائی انھیں کی ہوئی جو اُس کے رسولوں کے ذریعہ سے اُس تک جا پہنچے۔ یہ ایسے ذریعے تھے کہ جب اپنے سے تمسک کر نبیوں کو حد گزرتے دیکھتے تھے تو فرمادیتے تھے نَبِیُّنَا اَعْلٰی الرَّسُولِیَّةِ وَادْفَعُوا عَنَّا حُدُودَ الْبَشَرِیَّةِ وَتَقُولُوا فِیْنَا مَا شِئْتُمْ کہ ہم کو خدا کے

درجہ سے گھٹا رکھو اور اپنا حبیباً بشر نہ سمجھو اس کے علاوہ جو چاہے کہو۔ ہر حال حق
میعاد ہو گیا کہ عالم کا ہر ذی عقل ایک ہی شے کو ڈھونڈ رہا تھا تو حق
پانے والوں کا ہرگز یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے خیال میں گمراہ ہونے
والوں سے دشمنی کریں یا ان کو گالیاں دیں ان کو برا کہیں بلکہ ان پر واجب
ہے اور ضرور واجب ہے کہ جن کو یہ گمراہ خیال کرتے ہیں ان سے ہماری
کریں، ان کی امداد کریں۔ اتحاد و محبت سے کام لیں، دیکھئے تو خدا اپنے
رَسُول سے کیا فرماتا ہے۔ وَہ کہہ رہا ہے فِيمَا مَنَ حُبِّهِ مِن الدُّبِّ
لَيْتَ لَكُمْ اَعْيُنٌ تُبْصِرُونَ اَعْيُنًا مِّنْ حَوْلِكَ اِذَا تَوَلَّى سَوَّاهُ فِى السَّجْدِ
كُفُّواْ عَنْ اَعْيُنِكُمْ وَاصْبِرُوْاْ اِلٰى اَمْرٍ مِّنْ لَّدُنَّكَ لَا تُخَالِفُوْهُ
عَلَيْطُ الْقَلْبِ لَا اَنْفَعُ لَكَ مِنْ حَوْلِكَ اِذَا تَوَلَّى سَوَّاهُ فِى السَّجْدِ
كُفُّواْ عَنْ اَعْيُنِكُمْ وَاصْبِرُوْاْ اِلٰى اَمْرٍ مِّنْ لَّدُنَّكَ لَا تُخَالِفُوْهُ
عرب تمہارے گرد جمع نہ ہوتے، وہ تم سے علیحدہ ہو جاتے۔ لہذا اگر
تم کو بھی کسی کی ہدایت کرنا ہے تو اس سے نرمی سے پیش آنا چاہیے
اس کے ساتھ اخلاق کو وسیع کرنا چاہیے تاکہ ان کے دل ہماری طرف
کھینچیں اور وہ ہماری بات سننے پر آمادہ ہو جائیں جناب سالک! آپ
چالیس برس کے سن میں تبلیغ پر مامور تھے مگر اس سے پہلے ہی سے آپ
نے اپنی قوم میں یوں وقعت پیدا کر لی تھی کہ ہر مقدمے میں آپ حکم بنائے جاتے
تھے، تمام امانتوں کے آپ امین بنائے جاتے تھے حضرت کو حکم تبلیغ تو
بہت بعد کو ملا تھا۔ مگر اس کے پہلے ہی عرب کی مشکلیں آپ ہی کی عقدہ
کشائی پر موقوف تھیں، اور بہت سے مقدمے ایسے جن میں گردنیں کٹ

جائیں۔ حضرت ہی کے حکم سے فیصل ہوئے۔ اب آپ خیال کر سکتے ہیں۔
کہ جب آپ کے رَسُول نے یوں دلوں میں جگہ پیدا کر لی تھی۔ یوں عربوں
پر اپنا اثر ڈال لیا تھا۔ اس وقت ان کی ہدایت پر آمادہ ہوئے
تھے اور پھر اس قدر وقتیں پیش آئیں جن کو بچہ بچہ جانتا ہے۔
ورنہ یہ آسان بات نہ تھی کہ قریش سے قبیلہ کے سامنے انہیں میں
کا ایک اسلام کی دعوت کرتا، لیکن رَسُول خدا نے اپنا فرض عین سمجھا
شعب ابوطالب میں مختصر سا انتظام کر کے قریش کو جمع کیا اور کھڑے
ہو کر کہا کہ اے خدا کے بندوں مجھے پہچانو اور میری سنو، مجھے خدا نے اور
انبیاء کے مانند تمہارے پاس رَسُول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تمہیں میری موت
سے انکار ہو تو جس نبی کا مجھ پر چاہو طلب کرو، اور اگر میرے کہنے کا
یقین ہے تو آؤ کہو اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور یہ بھی سن لو کہ
سب سے پہلے جو شخص آج میری بیعت کرے گا۔ وہی میرا وصی اور
جانشین اور خلیفہ بلا فصل ہے وہ زبان جس نے سر حشمتہ وحی کی لذت
چکھی ہے۔ اس کے فتنے معمولی فقرے نہیں تھے۔ قریش ساہار قبیلہ
ابو جہل سا ضدی خود غرض سب کے سب بیٹھے ہیں اور تنہا رَسُول خدا
ان کے خداؤں کی خدائی مٹاتے ہوئے وحدت کا سکہ جمار ہے میں
مگر ایک زبان میں گویائی نہیں جو ہاں یا نہیں کر دے، کچھ دیر
گزرنے کے بعد ہوش آیا اور ایک دوسرے نے سرگوشی شروع کی۔
گردنیں ملنے لگیں تو اسی مجمع سے چراغ خانہ ابوطالب غالب کل غالب

تم میں دو چیزیں عظیم چھوڑتا ہوں۔ ایک قرآن دوسری میری عمرت
 اگر تم ان دونوں سے تمسک نہ ہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں آپس
 میں جڑنا ہوں گی۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گی اور
 یہ سمجھ لو کہ اب میرے بعد کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی دین میرے
 دین سے بہتر ہوگا۔ اگر کوئی میرے بعد دعویٰ نبوت کرے تو وہ داخل
 جہنم ہوگا، اور یہ بھی سن لو کہ حق کو ہمیشہ حقدار کے سپرد کرنا چاہیئے اور
 ادائے قضا میں سچا احمد و ثواب ہے، اب میں باعلان کہتا ہوں کہ
 اگر کسی کا حق مجھ پر ہو تو وہ لے لے اور یا کسی کا قصاص میرے ذمہ
 ہو وہ طلب کرے۔ یس کر سوادہ بن قیس سلمے حاضر ہوا اور عرض
 کی کہ اے خدا کے رسول! فلاں ماں باپ میرے، جس روز آپ لاف
 سے ناقد پر سوار تشریف لارہے تھے تو میں بھی حضورؐ کے استقبال کو
 حاضر ہوا تھا، آپ کے دست مبارک میں تازیانہ مشوق تھا اور آپ
 چاہتے تھے کہ تازیانہ شتر کے لگانے اتفاقاً وہ تازیانہ میری پیٹھ پر لگ
 گیا۔ حضرت نے بلالؓ سے فرمایا کہ خانہ فاطمہؓ سے تازیانہ تولے آؤ۔ یہ
 سننے ہی بلالؓ دولت کدہ فاطمہؓ پر حاضر ہوئے اور آواز دی کہ اے
 شاہزادی آپ کے پدر بزرگوار نے تازیانہ مشوق طلب فرمایا ہے
 معصومہ فرماتی ہیں کہ اے بلالؓ آج بابا کی سواری کا دن نہیں ہے وہ
 تازیانہ کیوں طلب کیا ہے۔ بلالؓ نے تمام کیفیت بیان کی، اب تو تیرہ
 نے ایک ایسی آہ کی کہ قریب تھا۔ روح جسم سے پرواز کر جائے، اس

علیؑ ابن ابی طالب اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اے ابن عم میں آپ
 کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ نشر اسلام و
 مذہب میں آپ کی نصرت و مددگاری کروں گا۔ آپ نے ہاتھ سے
 اشارہ کیا کہ اے علیؑ تم ابھی کمسن ہو بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو بولنے
 دو۔ آپ اپنے جوش کے طوفان کو زبردستی روک کر بیٹھ گئے اور پھر
 رسولؐ خدا نے تقریر کی، لیکن مجمع میں سے ایک نے بھی جواب نہیں دیا اور
 اگرچہ کوئی شخص اٹھ کھڑا ہوا تو وہی بہادر بنیظیر تھا جو کھڑے کھڑے کفر
 کی بستیاں اُجاڑ دیتا تھا اور گھوڑے پر بیٹھتے بیٹھتے ایک قرآن مجید تم
 کر دیتا تھا۔ جب تین باریہ ہوئے تو رسولؐ خدا نے علیؑ کو اپنے سینے سے
 لگا کر کہا کہ تم وصایت کے لیے ہو۔ آج سے قیامت تک تم اور
 تمھاری اولاد ایک کے بعد ایک میرے وصی اور نائب ہو۔ مختصر یہ
 کہ اگر رسولؐ کے افعال پر غائر نظر ڈالی جائے تو آپ کا ہر فعل ایک آلہ
 ہدایت معلوم ہوگا، اور اسی کو فعلی ہدایت بھی کہتے ہیں کہ جو بجائے خود
 تو فعل حسن ہو اور دوسروں کے لیے وہی سبب ہدایت ہو۔ کیا اچھا
 معلم ہمیں خدا نے عطا کیا جس کا شکر یہ کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا، اور
 واقعی مسلمانوں کے گروہ کے لیے ایسا ہی ہادی و کار بھی تھا، جب
 تک آپؐ دنیا میں رہے ہدایت کرتے رہے۔ بلکہ وقت آخر تک ہدایت
 کی جس وقت آپؐ کا وقت وفات قریب پہنچا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما
 ہیں چند اصحاب حاضر خدمت ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ایہ الناس میں

کے بعد روتی ہوئی اٹھیں اور تازیانہ بلالؓ کے حوالے کیا، اور کہا
اے بلالؓ میری طرف سے سوادہ بن قیس سے کہہ دینا کہ فاطمہؓ نے تجھ
سے کہا ہے کیا تو رسولؐ کی حالت سے واقف نہیں کہ شدت مرض سے
کس قدر ضعیف و ناتواں ہو چکے ہیں۔ اب رسولؐ اگلے قصاص کے
بالکل متحمل نہیں ہو سکتے۔ یہ سن کر بلالؓ مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر
حسینؓ داخل بیت الشرف ہوئے، ماں کو روئے تاروا دیکھ کر پوچھا کیوں اے
مادرِ گرامی کس غم نے آپ کو رلایا۔ یہ سنے تمام واقعہ بیان کیا دونوں شہزادے
بھی روتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جب داخل مسجد ہوئے رسولؐ
نے ہاتھ پھیلا کر اپنے پیاروں کو سینے سے لگالیا اور آنسو آنکھوں سے
پونچھنا شروع کیے اور سبب گریہ دریافت کیا، حسینؓ نے عرض کی ہم نے
سنا ہے کہ سوادہ بن قیس آپ سے طالب قصاص ہے ہم اس لیے یہاں
آئے ہیں کہ آپ کے عوض ہم دونوں سے قصاص لے لے حضرت نے
نہایت پیار کے لہجہ میں فرمایا کہ نور چشمو! اس امر میں ایک دوسرے
کا عوض نہیں ہو سکتا۔ تم صبر کرو۔ اس کے بعد سوادہ سے فرمایا کہ اٹھ
اور اپنے کام میں توجہ لے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ تازیانہ آپ کا
میرے جسم پر ہنہ پر پڑا تھا، میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اپنا لباس اتار ڈالیں
حضرت نے پیرا بن جسد مبارک سے جدا کیا، یہ دیکھ کر گوشہ ہلے مسجد
سے شور مچا کر یہ بلند ہوا، حسینؓ علیہ السلام تو پہلے ہی رو رہے تھے۔
اب یہ حالت دیکھ کر زمین پر پچھاڑیں کھانے لگے، مسجد میں ایک شولہ

روئے کا بلند ہوا کہ سوادہ نے دور کر مٹھ اپنا شکم رسولؐ پر رکھ دیا اور
رو رو کر درگاہِ خدا میں عرض کرنے لگا، خداوند! اس بطن اقدس اور
صاحبِ بطن کا واسطہ مجھے قیامت میں آتشِ جہنم سے محفوظ رکھنا جب
رسولؐ نے دیکھا کہ سوادہ قصاص نہیں لیتا، تو پوچھا کیا تاخیر ہے۔
قصاص کیوں نہیں لیتا، اس نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر
نثار، مجھے ہرگز قصاص لینا منظور نہیں ہے آپ نے یہ سن کر درگاہ
خدا میں عرض کیا، خداوند! جس طرح سوادہ نے اپنے قصاص سے درگزر
کی اسی طرح تو بھی اس کے گناہوں سے درگزر فرما۔ یہ خلقِ رسولؐ کی اصلی
تصویر ہے، اگر آئینہ سرفراں کو اس کے مقابل کر کے دیکھا جائے تو صرف
ایک صورت ایسی اور نظر آئے گی جواز سر تپا اخلاقِ رسولؐ کی بجنسہ
تصویر ہوگی، وہ کس کی تصویر ہے وہ انھیں کے وصی و جانشین علیؓ ابن
ابی طالب علیہ السلام ہیں کہ جن کا خلق اخلاقِ محمدیؐ کی نظیر ہے۔ رسولؐ
نے سوادہ بن قیس کو تازیانہ اپنے جسم پر لگانے کو دیا تو امیر المؤمنینؓ نے عین
جنگ میں تلوار اپنے دشمن کے حوالے کر دی کہ اگر تو علیؓ کا سراہِ خدا میں چاہتا
ہے تو لے یہ میری حاضر ہے، وہ رسولؐ کا خلق اور یہ وصی کے اخلاق اب
تو حسینؓ کو دونوں طرف سے میراث ملنا چاہیے اور کیوں نہ حسینؓ کو ہم جن
اخلاق کہا جائے چنانچہ بنا براس روایت کے کہ جس میں وقتِ حشر
رسالتِ مآب فاطمہؓ حسینؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے آتی ہیں اور عرض کی
ہے کہ بابا آپ تو دنیا سے سدھارتے ہیں اور میں غلام کے جاتے ہیں

کچھ اپنے نواسوں کو بھی دیتے جائیے۔ آپ نے غش سے آنکھیں کھولیں اور دونوں فرزندوں کو گلے سے لگا کر فرمایا کہ اے فاطمہ! لو ہم نے اپنی سیادت و غلظ حسن کو دیا، اور جو دور رحمت و شجاعت حسینؑ کو دی۔ بزرگ اپنے خردوں کو وہی چیز دیتا ہے۔ جس کی ضرورت دیکھتا ہے حسینؑ کو کہ بلا میں جو دیکھی ضرورت ہے۔ رحمت کی بھی حاجت ہے، شجاعت بھی چاہیے۔ رحمت کی یہ حالت کہ باوجود دنیا کے اختیار کے میدان میں بغیر سائے کے کھڑے ہوئے ہیں تشنگی غالب ہے اور ایسی تشنگی کہ آنکھیں کاسہ سر میں در آئی ہیں، دل چاہتا ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو کہیں ذرا سی ٹھنڈک ہی مل جائے، اور ایک شفیق فرج سے نکل کر کتا ہے کہ حسینؑ دیکھتے ہو نہ میں کیسا صاف پانی بہہ رہا ہے اور حسینؑ سر جھکا لیتے ہیں ہال اختیار دکھانے کا موقع آجاتا ہے تو اختیار بھی دکھا دیتے ہیں۔ کتاب مناقب میں درج ہے کہ جب امامؑ نے دیکھا کہ میری تھوڑی سی فرج پر تشنگی غالب ہوئی ہے۔ بذات خاص ارادہ نہر کیا، ابن دارمؑ نے یہ دیکھ کر ایک ایسا نیزہ لگایا کہ امامؑ کے زخم آگیا، بخیال کیا کہ یہ لوگ پانی پی رہے ہیں، سائے میں کھڑے ہیں، دریا کا کنارہ ہے، ان کو لوگوں کو پیاس کی قدر نہیں انھیں نہیں معلوم کہ پیاس انسان کو کیونکر مجبور کر دیتی ہے۔ دکھا دو کہ پیاس یہ شے ہے۔ آسمان کی طرف سہرا اٹھایا۔ فرمایا خداوند اس کو پیاس کا مزا چکھا دے، ادھر دعا ہوئی۔ ادھر ابن دارمؑ زمین پر گرے اور لوٹنے لگا قاسم ابن اصبحؑ کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ دوڑ دوڑ کر پانی

لاتے تھے۔ مگر وہ یہی کہہ جاتا تھا کہ ارے پیاس دل چھونکے دیتی ہے میں ختم ہوا جاتا ہوں، ٹھنڈا پانی نہ ملے تو گرم ہی لاؤ، اور لوگ ٹوٹے پڑتے تھے۔ کوئی جسم پر پانی چھڑکتا تھا، کوئی پلاتا تھا۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ کون کون بیٹائی سے پانی دے رہا تھا، یہی شام و کوثر کے باشندے تھے فقط بغض تو حسینؑ سے تھا کہ امام جلتی زمین پر کروٹیں لے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ اے مسلمانوں! میں سیاسیاذبح ہوا جاتا ہوں، قتل کو مانع نہیں قتل کرو، مگر حضورؐ اس پانی پلا کر کہ اب میں ان زخموں سے بچنے کا نہیں اور اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اے حسینؑ دریا کو دیکھتے ہو کیا صاف صاف پانی بہہ رہا ہے مگر تم کو دیں گے نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حسینؑ شمر کو سونکھی زبان دکھا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ ذرا سا پانی دے دے، اور وہ ملعون کہتا ہے کہ اے حسینؑ یہ تو نہ ہو گا میں نے جو دیکھا تو واللہ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے عمر سعد سے کہا کہ اوطالم تجھ کو منظور ہے حسینؑ تو ذبح کئے جا رہے ہیں۔ پھر اب ذرا سا پانی کیوں نہیں دے دیتا، یہ سن کر وہ بھی رو دیا اور منہ پھیر لیا۔ میں ایک ڈوچی لیے ہوئے قزاق کی طرف بڑھا اور جلدی سے پانی لے کر چلا، مگر ہاتے پیاس کی قسمت میں نہ تھا، میں اس وقت پہنچا جب آسمان سے عون برس رہا تھا، قزاق کا پانی نیزوں اچھل رہا تھا، زمین کو زلزلہ آ رہا تھا، ایک منادی ندا کر رہا تھا کہ اَلَا قَتِلَ الْحُسَيْنِ بِكَوْبَلَا اَلَا ذَبِیحَ الْحُسَيْنِ بِكَوْبَلَا۔

جن میں فضائل نظم تھے یاد کرتے۔ اس طرح کہ ہوا شعار ایک کو یاد تھے
 اُس کے علاوہ دوسری کو یاد کرتے۔ اب یہ خیال ہوا کہ شاید اب تو
 فضائل علی ختم ہو گئے ہوں گے۔ اس کے بعد ایک روز گھوڑے پر سوار
 ایک راہ سے جا رہے تھے کہ ایک نوجوان کو شعر پڑھتے سنا، غور
 کرنے سے معلوم ہوا کہ مدح امیر المومنین میں اشعار پڑھ رہا ہے اور
 ان اشعار میں وہ فضائل نظم ہیں جو سید نے نظم نہیں کئے، تب تھک
 کر بیٹھ رہے، اور اس حدیث کو مان لیا کہ ہاں بے شک رسول خدا نے
 جو کچھ کہا ہے صحیح فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غریب سید نے بہت حق دوستی
 ادا کیا۔ مگر کل میں سے ایک مجز بھی نظم نہ کر سکے اور کیونکہ ان سے نظم ہو سکتا
 گو ماہِ فضائل علی سہی مگر مجھ بھی انسان ہی تو تھے، یہاں تو ملک ملک
 پر سمیٹ لیتا ہے کہ یہ راہ دشوار گزار ہے۔ رسول خدا فرماتے ہیں
 کہ جب میں حمان خدا ہو کر افلاک کی راہیں طے کرتا ہوا پھر رخ چارم
 پر پہنچا، تو یہاں ایک ملک کو دیکھا جس کے دس لاکھ ہاتھ تھے، اور
 ہر ہاتھ میں دس لاکھ انگلیاں تھیں اور وہ اپنی دس کھرب انگلیوں
 سے کچھ حساب بیٹھا ہو کر رہا ہے۔ جب ریل سے میں نے پوچھا کہ یہ ملک
 کون ہے اور کیا کر رہا ہے۔ امین وحی نے عرض کیا کہ یہ قطرات باران پر
 موکل ہے اور ان کا نگہبان ہے، اسے معلوم ہے کہ کتنے قطرے آسمان
 سے زمین پر گرتے ہیں۔ رسول نے یہ سن کر خود اس ملک سے
 دریافت کیا کہ تجھے معلوم ہے کہ جب سے خدا نے دنیا خلق کی کس قدر

اٹھارھویں مجلس

فضائل و شہادت جناب امیر المومنین علیہ السلام

مع ربط مصائب

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لَوْ كَانَ الرِّيَاضُ أَقْلًا مَّا وَ
 الْبُحُورُ مِدَادًا وَالْجَنُّ حُسْبَاءَ وَالْإِنْسُ كُتَابًا
 مَا أَحْصَوْا أَفْضَالَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ه

جناب رسالت مآب ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے
 درخت قلم ہو جائیں اور کل سمندر روشنائی بن جائیں اور سب جن حساب
 کریں اور تمام انسان مل کر لکھیں جب بھی فضائل علی ابن ابی طالب کا احصا
 نہیں کر سکتے۔ اس حدیث کی بابت ایک روایت میں ہے کہ سید اسماعیل
 حمیری مارج آل رسول تھے۔ ان کے متعلق تاریخ میں موجود ہے کہ ان کے
 عہد میں ان سے بڑھ کر کوئی شاعر نہ تھا۔ جب انھوں نے یہ حدیث سنی تو
 ارادہ کیا کہ کوئی فضیلت علی ابن ابی طالب کی ایسی نہ ہو جسے میں نظم نہ
 کر لوں۔ چنانچہ انھوں نے اتنے شعر کہے کہ دیوانِ مدحت ایک شتر کا
 بار ہو گیا۔ جب لکھنے سے عاجز آئے تو یاد کرتے شروع کئے اور ان کی
 تین لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ ہزار اشعار

اور نمازیں پڑھنے لگتے ہیں اور چند مرغابیاں جو بچوں نے پال رکھی تھیں، وہ دیکھ رہی ہیں۔ اُم کلثوم آئیں اور عرض کی اے بابا۔ آج ساری رات گزر گئی اور آپ نے ذرا سا آرام نہ فرمایا۔ اور آج تو میں آپ کو ایسا بیتاب دیکھ رہی ہوں کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بابا بیٹی نثار کچھ کہتے تو سہی کہ آخر یہ انتشار کا ہے کا ہے۔ فرمایا ہاں بیٹی میں خود دیکھ رہا ہوں۔ اے بیٹی تیرے باپ نے اپنے تئیں بڑے بڑے پرہیزگار مقاموں میں ڈال دیا ہے۔ بڑے بڑے پہلوانوں سے مقابلہ کیا ہے۔ مگر اے اُم کلثوم جیسا ہنول آج کی رات تمہارے باپ پر ہے ویسا کبھی نہیں ہوا۔ اے بیٹی! یقین جانو کہ یہ ہول یہ ہیبت بے سبب نہیں ہے آج کی رات تمہارے باپ کی زندگی کی آخری شب ہے۔ یہ فرما کر آپ اٹھ کر دو دش پر ڈالی، قبا میں مہینی گھر سے نکلنے کا قصد کیا، اُم کلثوم باپ کے منہ سے سن چکی تھیں کہ آج زندگی کی آخری شب ہے، اور جانتی تھیں کہ علی کی زبان کی مکلی ہوئی بات جھوٹی نہیں ہوتی۔ تڑپ گئیں۔ پوچھا بابا! کہاں کا ارادہ ہے، کہا بیٹی مسجد میں جاتے ہیں۔ عرض کی بابا! جو ان بیٹے سو رہے ہیں ان کو ساتھ لے لیجئے۔ کہا حکم حق نہیں مل سکتا، جو ہونے والا ہے وہ ضرور ہوگا۔ یہ فرما کر بڑھے نکلے کہ مرغابیوں نے دیکھا اور چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا، کوئی دامن تھامے لیتی ہے، کوئی قدموں سے لپٹی جاتی ہے، اور طبقہ باندھے ہوئے شیون و فریاد کی آوازیں بلند کر رہی ہیں۔ آپ نے

قطرے زمین پر گرے ہیں، ملک نے جواب دیا یا رسول اللہ قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابتداءً دنیا سے تائیں دم کتنے قطرے زمین پر گرے اور کتنے قطرے دریا میں گرے اور کتنے آباد زمینوں پر گرے اور کس قدر غیر آباد مقامات پر برسے اور کس قدر باغوں میں بارش ہوئی اور کس قدر شور زار پر تقاطع ہوا اور کس قدر پہاڑوں پر مینہ برسا۔ رسالت مآب فرماتے ہیں کہ مجھے اُس کے حافظہ اور ذہن سے تعجب ہوا۔ متعجب دیکھ کر اُس نے کہا کہ ایک حساب سے میں بھی عاجز ہوں اور باوجود اس قدر ہاتھوں و راسی انگلیوں کے شمار نہیں کر سکتا۔ رسولؐ نے پوچھا کس کا حساب نہیں جانتا۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ وہ فضائل آپ کے داماد و ابن عم علی ابن ابی طالب کے ہیں جن کے حساب و شمار سے میں بھی عاجز ہوں۔ صلوة۔

بہر حال آپ خود انصاف کیجئے کہ جس کے فضائل کے احصاء میں ہر شے عاجز ہو۔ اُس کے فضائل کون کر سکتا ہے۔ شجاعت ایسی کہ دنیا قاتل۔ جود ایسا کہ خود فائقے پر فائقے کہے اور مانگنے والوں کو سیر کر دیا، رحم ایسا رحم کہ روز رحلت امام حسن علیہ السلام کو قسمیں دے رہے ہیں کہ جیسا دودھ میرے لیے لائے ہو۔ ویسا ہی ایک ظرف میں ان لمحہ کو بھی دو کہ تمہارا قیدی ہے۔ ہائے ماہ صیام کی انیسویں تاریخ بھی امیر المؤمنینؑ اک کرب و بقراری سے مکان میں بسر فرما رہے ہیں، کبھی صحن خانہ میں تشریف لاتے ہیں اور تاروں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ کبھی سقف مکان کے نیچے چلے جاتے ہیں۔

1A F

بہر حال اسی حالت سے آپ مسجد میں تشریف لائے اور حسب معمول
سونے والوں کو جگاتے ہوئے اس مقام پر آئے جہاں ابن ملجم ملعون
سونے والوں کی طرح پڑا تھا حضرت نے دیکھا کہ وہ منہ کے بل لیٹا
ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ اے شخص اٹھ کہ وقت نماز آگیا اس ملعون نے اپنے
مقام سے اس طرح جنبش کی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اٹھتا چاہتا ہے۔ آپ
محراب عبادت میں تشریف لائے اور نماز میں مشغول ہوئے۔ جب
ابن ملجم نے دیکھا کہ امام نماز پڑھ رہے ہیں۔ جلدی سے اٹھا اور
ستون مسجد کی آڑ میں کھڑا ہوا کہ امام رکعت اول کا رکوع اور پہلا سجدہ

انیسویں مجلس

تفسیر آیہ تطہیر فضائل جناب سیدہ و ربط اسیری

اہل حرم اور دیگر راہب کا واقعہ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ الْمَجِيدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِيدِ
يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا
خداوند عالم قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے کہ بس خدائے
اس بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ اہلبیت رسولؐ سے ہر قسم کی بُرائی کو دور
رکھے اور تم کو اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے
یہ آیت تطہیر ہے جو بختِ پاک یعنی محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و
حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کتاب منتخب
وغیرہ میں اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ
علیہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے پدر بزرگوار جناب رسالتماؐ
میرے گھر میں رونق افروز ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے پارہ
جگر میں اپنے بدن میں اس وقت کچھ ضعف پاتا ہوں۔ میں نے عرض
کیا کہ بابا خدا آپ کو ضعف سے محفوظ رکھے ارشاد فرمایا کہ اے
فاطمہؑ ذرا وہ مہینی چادر لا کر مجھے اڑھا دو۔ صدیقہ طاہرہ کا بیان ہے

کی حالت دیکھی ایسا تڑپ تڑپ کر رہے ہیں کہ آوازیں نکل نہیں
سکتیں۔ بیٹوں کو دیکھ کر بیٹیوں کا خیال آگیا۔ امام حسنؑ سے کہا اے
نورِ نظر! اب میرے دوستوں سے کہو کہ اپنی زحمت کو کم کریں۔ علیؑ سے
مل چکے۔ اب اپنے گھر جائیں۔ سب نے عرض کی کہ مولا! یہ آخری خدمت
ہے۔ آپ ہمیں کیوں مجبور کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہم آپ کو دیکھ
لیں۔ فرمایا بھائی تم دیکھتے ہو کہ خانہ فاطمہؑ زہراؑ قریب آگیا ہے اور
رسولؐ کی دونوں نواسیاں میرے غم میں نوحہ و فریاد کی آوازیں
بلند کریں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ میری زندگی میں زینبؑ و امّ کلثومؑ کی
آوازیں نا محرم سنیں۔

میں کہتا ہوں جو ایسا غیرت دار ہو، نہ جانے خدا کی کیا مصلحت
تھی کہ اس کی بیٹیاں بازار کو فودشام میں اس شان سے پھرائی جا
رہی تھیں اور ایک منادی پکار پکار کر کہہ رہا تھا یا اھل الکوفۃ
والشام ہذہ سبایا من بنات رسول اللہؐ اے اہل کوفہ و شام جے
تماشا دیکھنا ہو وہ دیکھ لے کہ آج نواسیاں رسالت مآبؐ کی اور بیٹیاں
علیؑ و فاطمہؑ کی ہمارے شہر میں اس ذلت سے پھرائی جا رہی ہیں۔
اَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

کہ بجز ارشاد میں نے وہ چادر لاکر ان جناب کو اڑھادی اور میں
حضرت کے چہرے کو دیکھ رہی تھی کہ اس طرح صندوق دے رہا ہے
گویا چودھویں لاک کا چاند بکھل آیا۔ اتنے میں امام حسن تشریف
لائے اور جناب سیدہ سے عرض کی کہ مادر گرامی میں اس وقت اپنے
نانا کے جسم کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا کہ
ہاں بیٹا تمہارے نانا اس کسار کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ امام حسن
قریب کسار تشریف لائے۔ نانا سے نواسے نے اجازت طلب کی نانا
نے نواسے کو اجازت دی۔ امام حسن داخل کسار ہوئے۔ ابھی کچھ دیر نہ
گزری تھی کہ امام حسین تشریف لائے اور آپ نے بھی یہی ارشاد فرمایا
جناب سیدہ نے جواب میں کہا کہ ہاں بیٹا تمہارے نانا صبح تمہارے
بھائی حسن کے اس کسار کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ امام حسین
بھی اجازت طلب کرتے ہیں۔ جناب رسالت مآب اجازت دیتے
ہیں۔ امام حسین بھی داخل کسار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد امیر المومنین
تشریف لاتے ہیں اور جناب سیدہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیوں سیدہ
تمہارے بابا اس کسار کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ جناب سیدہ جواب
دیتی ہیں کہ ہاں اے ابوالحسن میرے بابا صبح تمہارے بچوں کے اس کسار
کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔ امیر المومنین بھی اجازت طلب کرتے ہیں
وہاں سے جواب ملتا ہے کہ یا علی آؤ۔ اس کے بعد سیدہ عالم بڑھ کے
عرض کرتی ہیں۔ کیوں بابا کیا مجھے بھی اجازت ہے۔ جناب رسالت مآب

ارشاد فرماتے ہیں کہ آؤ بیٹی تمہیں بھی اجازت ہے۔ سیدہ عالم بھی داخل
کسار ہوئیں۔ کیا مبارک ہے یہ کسار کبھی کا ہے کو چشم ملک نے دیکھا
کہ ایک برج میں پانچ ستاروں کا اجتماع میں کیا کہوں کہ اس وقت رسول
کی چادر کیا شے ہو رہی تھی۔ بس ایک فانوس نور تھی کہ جس میں پانچ شمعیں
صوفی تھیں۔ جناب ام سلمہ یا تو نماز میں مشغول تھیں یا ایک مرتبہ نماز سے
فارغ ہو کر فرلے لگیں کہ کیوں اے خدا کے رسول کیا میں اہلبیت میں
نہیں ہوں۔ ارشاد رسول ہوا کہ ہو میری زوجہ۔ لیکن میرے اہلبیت بس
یہی ہیں۔ دعا کر رہے ہیں۔ جناب رسالت مآب کہ پروردگار یہی میرے
اہلبیت ہیں۔ بھلا رسالت مآب کی دعا ممکن تھا کہ بغیر قبول ہوئے بلیٹی۔ ادھر
دعا باب اجابت تک پہنچی اور ادھر خدا نے ملائکہ سے کہنا شروع کیا کہ ہم نے
آسمان وزمین کو نہیں پیدا کیا۔ ہم نے شمس و قمر کو نہیں روشن کیا۔ ہم نے کسی چیز کو
نہیں پیدا کیا۔ مگر ان بچوں کی بدولت جبریل آگے بڑھے۔ عرض کی کہ بارالہی
ذرا مجھے اجازت دے دے کہ میں بھی زمین پر جا کر بچوں کے سایہ میں داخل ہو
ارشاد باری ہوا کہ جاؤ ہم نے اجازت دیدی۔ جبریل اجازت لے کر زمین کی
طرف چلے مگر راستہ میں ٹھہر گئے اور دوسرے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ خدا
نے تو مجھ کو اجازت دیدی۔ آیا آپ بھی اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی داخل
کسار ہو کر آپ کا چٹھا ہو جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ آؤ۔ یہ وقار تھا اس
گھر کا کہ جبریل سا ملک مقرب بغیر اجازت کے داخل نہیں ہوتا۔ مگر
یہ معلوم رسول کے کلمہ پڑھنے والے کیسے تھے کہ بعد رسول اسی گھر کے

میدان محشر میں اس کے پھیلے ہوئے گوشے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اور یہی چادر کہ بلا میں زینب کے سر پر تھی۔ مگر کہ بلا والوں نے اس چادر کا خوب احترام کیا۔ روزِ عاشورہ بعد عصر خیموں میں آگ لگا دی۔ جناب زینب کے سر سے چادر اتار لی گئی۔ اشقیاء خیموں میں گھس آئے اور اہلبیت کو اسیر کر کے کوفہ کی طرف چلے۔ یہ لڑا ہوا قافلہ اس شان سے جا رہا ہے کہ آگے آگے نیزہ غولی پر امام حسین کا سر ہے اور اُس کے بعد کچھ سربازوں کے بچوں کے ان کے پیچھے ایک شتر لاغر پر ایک بیمار ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بیڑوں میں بیڑیاں گلے میں طوق سکر میں لنگر خمیف و زار آواز سے یہ پڑھتا جا رہا ہے اَقَادُ ذَلِيلًا فِي دِمَشْقٍ كَانَتْ اِيَّاهُ
 مِنَ الزَّوْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيْرُ

اُسے مجھے اس طرح لوہے میں جکڑا ہے جیسے اس غلام کو جکڑتے ہیں جس کا آقا مار ڈالا گیا ہو اور اُس کا کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ کچھ آدمیوں یہ چند عورتیں اس شان سے بیٹھی ہیں کہ بال سر کے کھلے ہوئے ہتھکیں پس گردن سے بندھی ہوئی منہ پر طمانچہ مارتی ہوئی جب یہ قافلہ دیر راہب کے قریب پہنچا، میرا لشکر کو کسی نے خبر دی کہ کچھ لوگ دوستدارانِ اہلبیت سے جمع ہوئے ہیں اور اُن کا قصد ہے کہ آج کی شب ہم سب کو گھیر کر قتل کر ڈالیں اور اسیرانِ اہلبیت و سرہائے شہدار کو چھین لیں یہ لشکر لشکر یزید میں مضطرب

دروازہ پر لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دی۔ جناب سیدہ فماتی ہیں کہ کیا گھر جلا دو گے۔ آواز آئی کہ ہاں گھر جلا دیں گے اور یہ کہہ کر جلتا ہوا دروازہ جناب سیدہ کے پہلو پر گرا دیا شکم مبارک میں جناب محسن شہید ہو گئے۔ رسول کی بیٹی اور اس پر دروازہ گرا دیا جائے۔ امیر المومنین کے گلے میں رستی باندھ کر کھینچتے ہوئے لے چلے پیچھے پیچھے جناب سیدہ یہ کہتی ہوئی مچلیں کہ چھوڑ دو ابو الحسن کو نہیں تو میں اپنے سر کے بال کھولتی ہوں۔ بہر حال جبریل آئے تو آیہ تطہیر ساتھ لے ہوئے آئے اور خوش ہو ہو کر اہل بیت کو سنانا شروع کیا کہ خداوندِ عالم بعد تحفہ درود و سلام کے ارشاد فرماتا ہے کہ اِنشَاءً يُؤَيِّدُ اللّٰهُ لِيَدُ هَبْ عَنْكُمْ الرَّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا بہر حال جناب ام سلمہ کا سوال اور جناب رسالت مآب کا جواب اِنشَاءً اَهْلُ بَيْتِي هُوَ لَا۔ ام سلمہ کا کہنا کہ کیا میں اہلبیت سے نہیں ہوں اور رسالت مآب کا صرف یہ کہنا کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ اگر خدا چاہے تو ہو سکتی ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ زوجہ تو تھیں۔ مگر اہلبیت سے نہ تھیں۔ اس چادر کی عظمت دیکھنے کے قابل ہے۔ اول تو یہی طول اس کا کیا کم تھا کہ ایسے پانچ بزرگوں کو گھیرے ہوئے تھی اور اس کے بعد جبریل داخل ہوئے تو بھی تنگ نہ ہوئی اور میں جبرأت کر کے کتا ہوں کہ ابھی اس میں آپ کی بھی گنجائش باقی ہے۔ اور میدان محشر میں اس چادر کی رفعت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ جبکہ لاکھوں ہاتھ اس کے گوشوں سے متمسک ہوں گے

کی زیارت کرے جگرہ چونکہ مقفل تھا اور اندر جانا ممکن نہ تھا۔
 دیرانی کی تمنا پوری نہ ہوئی۔ مگر غور و فکر سے یہ معلوم ہوا کہ حجرے
 میں ایک روشندان ہے۔ اس سے زیارت ممکن ہے۔ یہ سوچ کر جو
 اٹھا تو کیا دیکھا کہ سر سے ایک نورِ ساطع ہے یہ دیکھ رہا تھا کہ دفعۃً
 چھت حجرے کی شق ہوئی اور ایک نورانی عماری آسمان سے اُتری
 جس میں ایک معظمہ بیٹھی تھیں اور آگے آگے ایک منادی ندا کر رہا
 تھا کہ چپ ہو جاؤ اور آنکھیں اپنی بند کر لو۔ آپ سمجھے یہ سواری کس
 کی ہے۔ یہ ماںِ حسین کی فاطمہ زہرا ہیں جو بیٹے کے غم میں جنت سے
 بین کرتی ہوئی آئی ہیں۔ راہبِ ناقل ہے کہ جب وہ شہزادی عماری
 سے اُتریں تو کچھ عورتیں اور حجرے سے نمودار ہوئیں اور صندوق سے
 سر نکالا۔ یکے بعد دیگرے ہر بی بی سر کے پاس آتی تھی یہاں تک کہ
 سینہ عالم کی باری آئی۔ اب دیرانی کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے کچھ
 دکھائی نہ دیتا تھا صرف ایک آواز کان میں آرہی تھی اسلام علیک یا
 قتیل الامم السلام علیک یا مظلوم الامم السلام علیک یا شہید الامم السلام
 علیک یا روح الامم یہ آواز سن کر دیرانی غش کھا کر گرا۔ جب افاق ہوا
 تو مقفل توڑ کر حجرہ میں داخل ہوا۔ اور سر حسین صندوق سے نکال کر مشک
 کافور سے دھویا۔ رو بقبلہ رکھ کے سر کو دیکھتا جاتا تھا اور حالت یہ تھی
 کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ روتے روتے سر کی طرف خطاب
 کیا اور عرض کیا اے صاحبِ سر میرا گمان ہے کہ آپ ان لوگوں میں

عظیم ہوا۔ آپس میں یہ رائے کی کہ شب بھر ہم اس دیر میں پناہ لیں۔
 اور صبح کوچ کریں۔ یہ طے کر کے شمر مع اپنے ہمراہیوں کے دروازے
 پر آیا اور دیرانی کو آواز دے کر پکارا۔ راہب آواز سن کر باہر
 آیا عظیم الشان لشکر کو دیکھ کے پوچھنے لگا کہ تم کون ہو اور تمہارا
 ارادہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہم ابنِ زیاد کے لشکری ہیں عراق
 سے شام تک جا رہے ہیں۔ دیرانی نے کہا شام کیوں جاتے ہو
 جواب دیا کہ ایک شخص نے یزید کے حکم سے سرتابی کی ہے ہم
 نے اُسے قتل کیا ہے اور اہلِ حرم کو مفید کر دیا ہے۔ یہ ان کے
 اہل بیت اور سرہائے بریدہ ہیں جن کو ہم امیرِ شام کے پاس
 لیے جاتے ہیں۔ یہ سن کر راہب نے جو سر حسین کی طرف نگاہ
 کی تو یہ دیکھا کہ سر سے آسمان تک ایک شق نور بلند ہے یہ دیکھ
 کر دیرانی کے قلب پر ایک ہیبت طاری ہوئی شمر سے کہا
 میرے دیر میں اتنی وسعت نہیں کہ تم سب کو داخل دیر کروں۔
 اور تم سب باہر حفاظت میں مشغول رہو۔ اگر کوئی دشمن ہو تو بیرون
 قلعہ مقابلہ کرو۔ یہ رائے دیرانی کی سب نے پسند کی اور سر حسین
 صندوق میں مقفل کر کے مع اہلِ حرم نصرانی کے سپرد کیا اور دیرانی
 نے بیمار کر بلا اور محذراتِ عصمت کو نہایت عزت و احترام کے
 ساتھ ایک مکان مناسب میں جگہ دی اور سر حسین کو حجرے میں
 مقفل کیا جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو دیرانی کو فکر ہوئی کہ سر حسین

ہیں جن کی مدح خدا نے قریت میں کی ہے۔ مجھے اپنے حسب و نسب
 سے آگاہ کیجئے سر سے آواز آئی انا المظلوم انا المقتول انا المہوم یہ
 باتیں سن کر دیرانی کے قلب کی اذیت اور بڑھی۔ عرض کیا یا ائہا الناس
 زودنی۔ اے صاحب سراور زیادہ بیان کر۔ آواز آئی۔ اے لایب اگر
 میرا حسب و نسب سُندا ہے تو سن انا بن محمد بن المصطفیٰ انا بن علی
 ان المرضیٰ انا بن فاطمة الزہراء انا بن خدیجۃ الکبریٰ انا بن عروۃ القحقی
 حسب و نسب بیان کر کے وہ القاب بتانا شروع کئے جو کہ بلا کی زمین
 پر ملے۔ انا شہید کربلا انا قاتل کربلا۔ انا عطشان کربلا۔ اس کلام کا یہ اثر
 ہوا کہ لایب نے مع اپنے ساتھیوں کے سروں سے عمامے اتار ڈالے
 اور گریبان چاک کر ڈالے بختم کر چکا میں اپنے کلام کو۔ مگر تمہ کلام میں
 میں ایک مطلب پر متوجہ کر دوں۔ لایب غیر مذہب و ملت کا تھا اور
 نصرانی ہو کے، سر کی یہ عزت کی کہ مُشک و گلاب سے مُعطر کیا۔ مگر
 خدا لعنت کرے بڑید شراب غوار پر کہ اس شقی نے مسلمان ہو کے، یہ
 توہین کی سر حسینؑ کی کہ سر بریدہ زیر تخت طشت طلا میں رکھوایا اور
 ہاتھ میں اس شقیؑ کے شراب کا جام۔ شراب پیتا جاتا تھا۔ اور جو
 بچ رہتی ہے وہ سر حسینؑ کی طرف پھینکتا ہے۔

تَمَّتْ

نئے سال کی بہترین کار آمد اور مقبول عام

اثنا عشری جہتری کلاس

جس میں عیدِ سال کی تاریخوں کے مطابق اسلامی سنِ ہجری اور سنِ بکری کی مکمل تقویم، نوروزِ عالم افروز کا مکمل خاکہ، تاریخِ ہائے معد و نحس، قمر و عقر ب، فہرست تعطیلات کے علاوہ ہر سال نئے موضوعات پر مذہبی، معاشی، طبی و سائنسی عنوانات پر ملک کے مایہ ناز ادیبوں کی تخلیقات اور تحقیقات شامل اشاعت ہوتی ہیں۔ تقویم و نجوم، بارہ برجوں کے حالات، حضرت امام رضا کی ہدایت کے مطابق ماہانہ حالات، عملیات و تعویذات جیسے موضوعات پر بھی بہترین معلومات سے موصوع ”اثنا عشری جہتری“ ہر سال ماہِ نومبر میں ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر ہدیہ قارئین ہوتی ہے۔ جس کے مستقل قاری اس بات کے شاید ہیں کہ یہ سب سے بہتر، کار آمد اور معیاری جہتری ہے۔ بہترین رنگین ٹائٹل، آفسٹ پر دیدہ زیب، طباعت و کتابت و کاغذ عمدہ، ضخامت سب سے زیادہ، قیمت سب سے کم۔ اپنے شہر کے قریبی بک شال سے خریدیئے یا براہِ راست ہم سے طلب فرمائیئے ملنے کا پتہ

امامیہ کتب خانہ، مغل جوہلی، اندرونِ موچیہ وازہ لاہور